قبروں پر دعا کرنے کا شرعی حکم

مُلحَق: قبولیتِ دعا کے شرعی اسباب

مولف:

فضیلۃ الشیخ ماجد بن سلیمان الرسی

ترجمة بلغة الأردو لكتاب:

التبصرة في بيان أن تحري إجابة دعاء اللّه تعالى عند القبور بدعة منكرة

لفضيلة الشيخ ماجد بن سليمان الرسي

تفصیلاتِ کتاب

* کتاب: قبروں پر دعا کرنے کا شرعی حکم

* تالیف: فضیلۃ الشیخ: ماجد بن سلیمان الرسی

* ترجمہ: سیف الرحمن حفظ الرحمن تیمی

* سن اشاعت: ۱۴۴۱ھ-۲۰۲۰ء

* صفحات: ۹۸

* ایمیل (مترجم): binhifzurrahman@gmail.com

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على نبي بعده، أما بعد:

اللہ نے جن وانس کو محض اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، فرمان باری تعالی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾ [سورة الذاريات:56].

ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

عبادت میں ہر وہ ظاہری وباطنی قول وعمل شامل ہے جو اللہ کو پسندیدہ اور محبوب ہو۔

"چنانچہ نماز، زکوۃ، روزہ، حج، راست گوئی، امانت داری، والدین کی فرمانبرداری، صلہ رحمی، وعدہ وفا کرنا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، کفار ومنافقین سے جہاد کرنا، پڑوسی، یتیم، مسکین، مسافر، غلام اور چوپایوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، دعا ومناجات، ذکر واذکار اور تلاوت قرآن جیسے اعمال صالحہ کا اہتمام کرنا عبادت ہے۔

اسی طرح اللہ ورسول ﷺ سے محبت رکھنا، اللہ سے خوف کھانا اور اس سے توبہ وانابت کرنا، اس کے لیے دین کو خالص رکھنا، اس کے حکم پر صبر کرنا، اس کی نعمت کا شکر بجالانا، اس کی

تقدیر پر راضی ہونا، اسی پر توکل کرنا، اس کی رحمت کی امید رکھنا، اس کے عذاب سے خائف رہنا اور ان جیسے دیگر اوصاف اختیار کرنا بھی اللہ کی عبادت ہے"[1]۔

عبادت کی ضد یہ ہے کہ اللہ کی عبادت میں شرک کیا جائے، وہ اس طرح کہ انسان اللہ کے لیے کوئی ساجھی مقرر کرلے اور اس کی ایسی ہی عبادت کرے جیسے اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، اس سے اللہ کی طرح خوف کھائے، اور دعا ونماز یا ذبح یا نذر ونیاز جیسی عبادت کے ذریعہ اس کا تقرب ایسے ہی حاصل کرے جیسے اللہ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے۔

دعا ایک عظیم الشان عبادت ہے، جسے اللہ نے بہت سی آیتوں میں بطور خاص ذکر فرمایا ہے، نبی ﷺ نے بھی بہت سی صحیح احادیث کے اندر اس کے مقام ومرتبہ کو واضح کیا ہے، شریعت میں قبولیتِ دعا کے وہ اسباب ووسائل بھی بیان کردیے گئے ہیں کہ جنہیں اگر بندہ مسلم اختیار کرے تو اس کی دعا قبولیت کے قریب ہوگی، بنسبت اس دعا کے جو ان اسباب سے خالی ہو، قبولیتِ دعا کے یہ اسباب چھ قسم کے ہیں[2]:

پہلا سبب دعا گو کی ذات سے متعلق ہے۔

---

[1] منقول از: مجموع الفتاوی لابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: ۱۰/ ۱۴۹-۱۵۰، معمولی تصرف کے ساتھ۔

[2] مولف- اللہ ان کی بخشش فرمائے- کا یہ کہنا کہ ان اسباب کی چھ قسمیں ہیں، یہ محض ان کی ذاتی تحقیق اور مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ واللہ المستعان

دوسرا سبب دعا گو کی عبادت سے متعلق ہے۔

تیسرا سبب دعا گو کی حالت سے متعلق ہے۔

چوتھا سبب دعا کے وقت سے متعلق ہے۔

پانچواں سبب دعا کی جگہ سے متعلق ہے۔

چھٹا سبب دعا کے آداب سے متعلق ہے[1]۔

ہر چند کہ شریعت میں قبولیتِ دعا کے اسباب بیان کر دئے گئے ہیں، پھر بھی اس سلسلے میں لوگ تین گروہ میں بٹے ہوئے ہیں: ایک گروہ وہ ہے جو قبروں میں مدفون صالحین اور اولیا کو پکارتا ہے اور یہ گمان رکھتا ہے کہ ان کی دعا قبولیت کے قریب ہے، جب کہ ایسا کرنا بغیر کسی شک وشبہ کے غلط ہے، اس کی تین وجوہات ہیں:

---

[1] ہر قسم کے تعلق سے تفصیلی گفتگو جلد ہی آئے گی ان شاء اللہ۔

پہلی وجہ: غیر اللہ کو پکارنا شرکِ اکبر ہے جو انسان کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے، کیوں کہ دعا عبادت ہے[1]، اور تمام طرح کی عبادتیں صرف اللہ کے لیے انجام دی جا سکتی ہیں، چنانچہ جس نے غیر اللہ کے لیے کوئی عبادت انجام دیا تو اس نے شرک کیا۔

دوسری وجہ: مُردہ حضرات پکارنے والوں کی پکار کو نہیں سنتے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿وَمَآ أَنتَ بِمُسۡمِعٖ مَّن فِي ٱلۡقُبُورِ ٢٢﴾ [سورة فاطر:22].

ترجمہ: آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

تیسری وجہ: مُردوں کو یہ تصرف اور قدرت حاصل نہیں کہ وہ اپنی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں، چہ جائیکہ دوسروں کے کام آئیں، اسی وجہ سے انہیں پکارنا اور ان سے حاجت طلبی کرنا حد درجہ حماقت اور نہایت باطل و بے بنیاد عمل ہے۔

لوگوں کا دوسرا گروہ وہ ہے جو اللہ تعالی سے دعا کرتا ہے اور قبولیت کے وہ مقامات اختیار کرتا ہے جن کا ذکر قرآن وسنت میں آیا ہے تاکہ ان کی دعا شرفِ قبولیت سے سرفراز ہو سکے، جیسے رات کی آخری تہائی میں دعا کرنا، سجدہ کی حالت میں دعا کرنا، عرفہ کے دن

---

[1] جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث ہے: "دعا ہی عبادت ہے"۔ اسے ابوداود (۱۴۷۹) اور ترمذی (۲۹۶۹) وغیرہما نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

دعا کرنا اور ان جیسے قبولیت کے دیگر مقامات۔ یہی وہ لوگ ہیں جو شریعت پر قائم ہیں اور نبی ﷺ کے سچے پیروکار ہیں، اللہ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو صرف اللہ تعالی سے ہی دعا کرتا ہے، اس کے سوا کسی کو نہیں پکارتا، لیکن یہ لوگ قبولیت دعا کے لیے بعض ایسے مقامات کو اختیار کرتے ہیں جن کا ذکر شریعت میں نہیں آیا ہے، بلکہ شریعت نے ایسی جگہوں پر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسے قبروں پر جاکر قبولیت کی نیت سے دعا کرنا، خواہ انبیا وصالحین کی قبریں ہوں یا کسی اور کی، ایسا عقیدہ رکھنے والا قبر کے پاس جاکر دعا کرتا ہے کہ: اے پروردگار! مجھے اولاد سے نواز، میرا قرض چکا دے.... وغیرہ۔

اس مختصر مقالہ کے اندر میں نے تیسرے گروہ کے عقیدہ کا جائزہ لیا ہے اور مختلف ناحیے سے ان کی غلطی کو واضح کیا ہے، نیز اس کا شرعی متبادل بھی پیش کیا ہے، بایں طور کہ ان مقامات، اوقات اور حالات پر روشنی ڈالی ہے جن کے بارے میں شرعی نصوص یہ دلالت کرتے ہیں کہ ان میں دعا قبول ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قاری اس بات سے پوری طرح آگاہ ہو جائے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا، کیوں کہ بندہ جب کوئی ایسا عمل کرتا ہے جو شریعت میں نہیں آیا ہے، تو اس کا یہ عمل مسترد کر دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی دینِ الہی میں زیادتی کرنے کا گناہ بھی اس کے اوپر ڈال دیا جاتا ہے،

جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث ہے:(جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو-یعنی بغیر دلیل کے-وہ مردود ہے)[1]۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:(جو شخص ایسا کام کرے جو ہمارے دین کے منافی ہو تو وہ مردود ہے)[2]۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو یہ توفیق بخشے کہ اپنے سارے اعمال خالص اللہ کی رضا کے لیے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں انجام دیں، نیز ہمیں اور تمام مسلمانوں کو گمراہی کے راستوں سے محفوظ رکھے۔واللہ اعلم، وصلی اللہ علی نبینا محمد، وآلہ وصحبہ، وسلم تسلیما کثیرا۔

از قلم:

ماجد بن سليمان الرسي

۱۴رمضان ۱۴۳۳ھ

۰۰۹۶۶۵۰۵۹۰۶۷۶۱

Majed.alrassi@gmail.com

---

[1] اسے بخاری (۲۶۹۷) اور مسلم (۱۷۱۸) نے روایت کیا ہے

[2] اسے امام مسلم (۱۷۱۸) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

باب: قبولیت کے قصد سے قبروں پر دعا کرنا باطل عمل ہے

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين.

اما بعد:

غیر اللہ کو پکارنا شرک اکبر ہے جو دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اس سے کفر لازم آتا ہے اور ہمیشہ کے لیے جہنم کی زندگی واجب ہو جاتی ہے، یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جو کہ پوری طرح واضح ہے۔

قبروں پر قبولیت کی امید سے اللہ کو پکارنا فی نفسہ تو شرک نہیں ہے، لیکن شرک میں واقع ہونے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، چوں کہ شیطان ایسا کرنے والے کی نظر میں مقبور (جو قبر میں مدفون ہے) کو پکارنے کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے، بطور خاص اس کی نظر میں جو بے کس و مضطر ہو، ایسا شخص اگر شیطان کے بہکاوے میں آگیا تو وہ شرک اکبر کا شکار ہو جائے گا۔ اللہ کی پناہ۔

قبروں پر قبولیت کی غرض سے دعا کرنا باطل و بے بنیاد عمل ہے، اس کی پانچ وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: کتاب و سنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ قبروں پر اللہ کو پکارنا افضل ہے۔ بلکہ شریعت اسلامیہ کا یہ ایک ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ ہر وہ عبادت جو کتاب و سنت میں وارد نہیں، وہ مردود ہے، جیسا کہ حدیثِ رسول ﷺ ہے: "جو شخص

ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو -یعنی بغیر دلیل کے - وہ مردود ہے)[1]۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: (جو شخص ایسا کام کرے جو ہمارے دین کے منافی ہو تو وہ مردود ہے)[2]۔

دوسری وجہ: اگر بطور خاص قبروں پر دعا کرنا مشروع ہوتا -خواہ وہ واجب ہو یا مستحب- تو صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ایسا ضرور کرتے، جب کہ قرون مفضلہ کے سلف صالحین سے ایسا ثابت نہیں ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کئی بار قحط سالی اور مصائب کا سامنا ہوا، مگر ان سے کبھی یہ ثابت نہیں کہ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر انہوں نے دعا کی ہو یا کبار صحابہ میں سے کسی کی قبر کے پاس آکر ایسا کیا ہو۔ اگر یہ مشروع عمل ہوتا تو وہ ضرور کرتے اور ان کا عمل ہم تک پہنچا ہوتا، کیوں کہ یہ ایسا عمل ہے کہ اسباب اور عزم و حوصلے جس کو نقل کرنے کے لیے مہیا تھے، معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع تھا کہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ اس نکتہ پر غور فرمائیں، یہ فائدے کی بات ہے۔

---

[1] اسے بخاری (۲۶۹۷) اور مسلم (۱۷۱۸) نے روایت کیا ہے

[2] اسے امام مسلم (۱۷۱۸) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

ابن تیمیہ (1) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جو شخص احادیث کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرے اور سلف کے حالات سے واقف ہو اسے یقین کامل ہو جائے گا کہ وہ نہ تو قبروں کے پاس مدد طلب کیا کرتے تھے اور نہ ہی قبروں کے پاس جاکر دعا کا اہتمام کیا کرتے تھے، بلکہ جو جاہل و نادان حضرات ایسا کرتے انہیں وہ اس سے منع کیا کرتے تھے، جیسا کہ ہم نے اس کی بعض مثالیں ذکر کی ہیں، مختصر یہ کہ قبروں کے پاس دعا کرنا یا تو دوسری جگہ پر دعا کرنے سے افضل ہو گا یا نہیں ہو گا، اگر ایسا کرنا افضل ہوتا تو یہ جائز نہیں تھا کہ اس کا علم صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے مخفی رہ جائے، قرونِ مفضلہ کے لوگ اس عظیم فضیلت سے ناواقف ہوں اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، نیز یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ اس عمل کی اس

(1) آپ امام، علامہ، علم کے سمندر، فقیہ اور حقیقی معنوں میں شیخ الاسلام، ابو العباس، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام، حرانی ثم دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ ابن تیمیہ سے ملقب ہیں، جب دین اسلام کی نامانوسیت اور اجنبیت اپنی جڑ جما چکی تھی، دنیا علم کلام کی بدعتوں، صوفیت کی خرافات، قبر پرستی کی شرکیات اور فلاسفہ و روافض کے الحاد سے تاریک ہو چکی تھی، تب انہوں نے دین اسلام کی تجدید فرمائی، کتاب و سنت کے منہج پر صاف و شفاف اسلام کی دعوت کا از سر نو آغاز کیا، حق کی آواز بلند کی، اہل باطل کے دانت کھٹے کر دئے، دعوت و عزیمت کی اس راہ میں قید و بند کی زندگی کاٹی، اللہ نے ان کی کاوشوں کو مقبولیت عطا کی، ان کی تصنیفات کا شہرہ پورے عالم میں پھیل گیا، آپ کے بعد آنے والے علمائے سنت آپ پر منحصر رہے، آپ کے بہت سے شاگرد ائمہِ اسلام بن کر نمودار ہوئے، جیسے ابن قیم، ابن کثیر، ذہبی اور ابن عبد الہادی وغیرہم۔ ان کی وفات سنہ ۷۲۸ھ میں ہوئی، چند محققین نے شیخ بکر ابو زید رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اشراف آپ کی سوانح پر لکھی گئی تحریروں کو ایک نفیس کتاب میں جمع کر دیا ہے، اور اسے "الجامع لسيرة شيخ الإسلام ابن تيمية خلال سبعة قرون" کے نام سے موسوم کیا ہے، اس کتاب کو دار عالم الفوائد-مکہ نے نشر کیا ہے، ابن تیمیہ سے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

عظیم فضیلت سے واقف تو رہے ہوں لیکن اس سے بے زاری اختیار کی ہو، جب کہ وہ ہر قسم کی نیکی و بھلائی کے حریص تھے، بطور خاص دعا و مناجات (ان کا خاص وطیرہ تھا)، کیوں کہ جو شخص بے کس و مضطر ہو وہ ہر سبب کا سہارا لیتا ہے خواہ اس میں ایک طرح کی کراہت ہی کیوں نہ ہو، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ بہت ساری دعاؤں کے وقت بے کس و مضطر ہوں اور یہ جان رہے ہوں کہ قبروں پر دعا کرنے کی یہ فضیلت ہے، اس کے بعد بھی ایسا کرنے سے باز رہے ہوں؟

یہ فطری اور شرعی دونوں طریقے سے محال ہے۔

چنانچہ جب قبروں کے پاس دعا کرنے کی کوئی فضیلت نہیں ہے، تو بالقصد وہاں پر دعا کرنا گمراہی اور گناہ ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ان مقامات پر دعا کا اہتمام کرنا بدعت ہے جن کے پاس دعا کرنے کی کوئی فضیلت نہیں ہے، جیسے نہروں کے کنارے، درخت کی جڑوں کے پاس، بازاروں کی دکانوں میں، راستوں کے کنارے، اور ان جیسے دیگر بے شمار مقامات پر جن کی تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے۔

اس کی دلیل قرآن میں مختلف مقامات پر آئی ہے، مثال کے طور پر اللہ کا یہ فرمان:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُاْ شَرَعُواْ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُۚ ﴾ [سورة الشورى: 21].

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

جب اللہ نے قبروں کے پاس دعا کرنے کو نہ تو مستحب قرار دیا ہے اور نہ ہی واجب، تو جس نے اسے مشروع ٹھہرایا اس نے دین کے اندر ایسا حکم ایجاد کیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اللہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُواْ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾﴾

[سورة الأعراف:33].

ترجمہ: آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔

قبروں کے پاس اس عبادت کو انجام دینا اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرانا ہے جس کی اللہ نے کوئی سند نہیں نازل کی، کیوں کے اللہ نے ایسی کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی جو قبروں کے پاس دعا کا اہتمام کرنے کو مستحب بتاتی ہو اور اس کو دوسری جگہ کی دعا سے افضل قرار دیتی ہو، جس نے اس عمل کو اللہ کا دین ٹھہرایا اس نے اللہ کے ذمے ایسی بات لگائی جس کا

اسے علم نہیں، اللہ تعالی کا یہ فرمان کیا خوب ہے کہ:(جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی)، اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ -دین میں- قیاس آرائی اور قصہ گوئی کی راہ مسدود کر دی جائے۔ انتہی[1]۔

ابن قیم[2] رحمۃ اللہ علیہ شرعی زیارت کے سلسلے میں گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

بیس سے زائد سالوں تک اہل قبور کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ کی یہی سنت تھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی، آپ کے خلفائے راشدین کی بھی یہی سنت رہی اور تمام

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم: ۲/ ۶۸۷-۶۸۸، مزید فائدے کے لیے دیکھیں: ۲/ ۷۲۸، نیز دیکھیں: مجموع الفتاوی: ۲۷/ ۱۲۹-۱۳۰

[2] آپ محمد بن ابو بکر بن سعد زرعی ثم دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ ابن قیم الجوزیہ کے نام سے مشہور ہیں، آٹھویں صدی کے علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ زندگی بھر اپنے استاد ابن تیمیہ کو لازم پکڑے رہے تا آنکہ سنہ ۷۲۸ھ میں ان کی وفات ہوگئی، آپ کا شمار ابن تیمیہ کے کبار شاگردوں میں ہوتا ہے، شیخ کی وفات کے بعد آپ نے ہی دعوتی اور علمی جہاد کا پرچم سنبھالا اور اس پر اپنی وفات سنہ ۷۵۱ھ تک کاربند رہے، آپ کو علم ومعرفت میں کشادگی، حجت وبرہان میں قوت اور فقہ واستنباط میں گیرائی حاصل تھی، آپ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں، آپ کی کتابوں کو ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبولیت وپزیرائی حاصل ہوئی، بلکہ آپ کے بعد آنے والے حضرات آپ پر منحصر ہوگئے، آپ نے اسلامی عقیدہ کی پرزور نصرت وتائید کی، نظم ونثر ہر دو اسلوب نگارش سے بدعتیوں کی تردید فرمائی، بطور خاص فلسفہ، قبر پرستی، تاویل اور تصوف کے خیموں پر کاری ضرب لگایا، اللہ ان پر رحمت کی برکھا برسائے، آپ اور آپ کے شیخ نے دین الہی کی تجدید فرمائی، یہ دونوں امت اسلامیہ کی زندگی کے لیے انقلابی پیش خیمہ تھے۔ آپ کی سوانح حیات کے لیے دیکھیں: شذرات الذہب لابن عماد، ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب، ان کی شخصیت پر لکھی گئی جامع ترین کتابوں میں شیخ بکر بن عبد اللہ ابوزید کی تالیف کردہ کتاب "ابن القيم الجوزية، حياته و آثاره" سر فہرست ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور احسان و بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے تابعین رحمہم اللہ بھی اسی طریقہ پر کاربند رہے، کیا روئے زمین کا کوئی فرد بشر ان میں سے کسی ایک سے بھی صحیح، حسن، ضعیف، یا منقطع سند سے ہی سہی، یہ نقل کر سکتا ہے کہ ان کو جب کوئی حاجت در پیش ہوتی تو وہ قبروں کا قصد کرتے اور وہاں جاکر دعا کرتے، ان کو چھو کر (تبرک حاصل کرتے)، چہ جائیکہ وہاں پر نماز پڑھتے، یا ان میں مدفون مُردوں کے توسط سے اللہ سے سوال کرتے، یا ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے؟

وہ ہمیں اس سلسلے میں کوئی ایک اثر یا کوئی ایک حرف ہی دکھادے؟[1]۔

میرا کہنا ہے: سلف صالحین سے جو چیز منقول ہے وہ یہ کہ وہ قبروں کی زیارت تو کرتے تھے لیکن دعا کی غرض سے نہیں، اس لیے ہمیں بھی محض وہی کرنا چاہیے جو انہوں نے کیا، ابن عون نقل کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے نافع سے پوچھا: کیا ابن عمر[2] قبر پر سلام پیش کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے سو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ انہیں دیکھا کہ وہ جب قبر سے گزرتے تو فرماتے: سلامتی ہو نبی ﷺ، ابو بکر اور میرے والد عمر پر[3]۔

---

[1] اغاثۃ اللہفان: ۳۶۷-۳۶۸

[2] یعنی: صحابی جلیل حضرت عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما۔

[3] اسے بیہقی نے "الکبری": ۵/ ۲۴۵ میں نافع کی سند سے اور آجری نے "الشریعۃ": ۱۹۱۴ میں باب ذکر دفن أبی بکر و عمر رضی اللہ عنہما مع النبی ﷺ کے تحت معاذ بن معاذ عن ابن عون عن نافع کی سند سے روایت کیا ہے۔

مالک نے "المؤطا" میں عبد اللہ بن دینار سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے عبد اللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ نبی ﷺ کی قبر پر کھڑے ہو کر نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر پر درود پڑھ رہے ہیں[1]۔

بیہقی نے "شعب الایمان"[2] میں عبید اللہ عن نافع کی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل روایت کیا ہے کہ جب وہ کسی سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے نبی ﷺ کی قبر پر جاتے، آپ پر درود وسلام پڑھتے اور آپ کے لیے دعا کرتے، لیکن قبر کو چھوتے نہیں، پھر ابو بکر پر سلام پڑھتے، پھر اپنے والد پر سلام پیش کرتے ہوئے کہتے: السلام علیک یا أبت۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ان آثار میں ایسے لوگوں کی واضح تردید موجود ہے جو قبر نبوی ﷺ کے پاس دعا کی فضیلت کے قائل ہیں، کیوں کہ اس مقام پر دعا کرنے کی اگر کوئی خاصیت

نیز مالک نے "المؤطا" میں، کتاب قصر الصلاۃ والسفر کے اندر باب ماجاء فی الصلاۃ علی النبی ﷺ کے تحت عبد اللہ بن دینار سے عبد اللہ بن عمر کا عمل... نقل کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ أصحاب الجحیم": ٢/٦٦٨ میں اس حدیث کو ابن بطہ کی کتاب "الابانۃ" سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

معاذ بن معاذ سے مراد عنبری ابو المثنی ہیں، جو کہ ثقہ اور متقن راوی ہیں، ابن عون ان کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی سوانح کے لیے دیکھیں: تہذیب الکمال۔

تنبیہ: کتاب "الشریعۃ" میں (ابن عون کی جگہ) "ابن عوف" آیا ہے، جب کہ صحیح ابن عون ہے، ان کا نام عبد اللہ بن عون المزنی، ابو عون البصری ہے، یہ بھی ثقہ ثبت اور فاضل راوی ہیں۔ ان کی سوانح کے لیے دیکھیں: تہذیب الکمال۔

[1] کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، باب ماجاء فی الصلاۃ علی النبی ﷺ

[2] ٨/٨٨-٨٩، حدیث: (٣٨٥٤)، نیز عبد الرزاق نے "المصنف" میں روایت کیا ہے، حدیث: (٦٧٢٤)۔

ہوتی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما ضرور دعا کرتے، کیوں کہ وہ خیر و بھلائی اور اتباع سنت کے شدید حریص تھے، بطور خاص ایسی حالت میں کہ دسیوں بار ان کو قبرِ نبی پر دیکھا گیا (لیکن ایک بار بھی دعا کرتے ہوئے نہیں پایا گیا)۔

مذکورہ اثر کے اندر یہ وضاحت آئی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے تو آپ کے لیے دعا کرتے، لیکن اپنے لیے وہاں پر دعا نہیں کرتے، اگر قبروں کے پاس دعا کرنے کی کوئی اہمیت وفضیلت ہوتی تو وہ اپنے لیے بھی ضرور دعا کرتے ، لیکن انہوں نے شریعت کی پیروی کرتے ہوئے صرف قبر میں مدفون شخص کے لیے دعا کرنے پر اکتفا کیا۔

قبروں کے پاس دعا کا اہتمام کرنا باطل ہے، اس کی **تیسری دلیل**: بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ قبروں کے پاس دعا کا اہتمام کرنے سے منع کرتے تھے، جیسا کہ علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ایک تنگ گلی کے پاس آتا اور اس کے اندر جاکر دعا کرتا، تو آپ نے اسے منع کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسی حدیث نہ سناؤں جسے میں نے اپنے والد سے سنا، جسے انہوں نے میرے دادا کے واسطے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، آپ نے فرمایا: "میری قبر کو میلا نہ بناؤ (کہ لوگ وہاں اکھٹا ہوں)، اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ،

میرے اوپر (درود و) سلام بھیجا کرو، کیوں کہ تم جہاں بھی رہو گے تمہارا سلام مجھے پہنچایا جائے گا"[1]۔

اسماعیل القاضی کی روایت میں ہے کہ: تم جہاں بھی رہو میرے اوپر درود و سلام بھیجا کرو، کیوں کہ تمہارا درود و سلام مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ -اس اثر کے بارے میں- لکھتے ہیں کہ: یہ علی بن الحسین، زین العابدین ہیں، جو کہ علم اور دین داری کے اعتبار سے جلیل القدر تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، زہری نے ان کے بارے میں یہاں تک کہا ہے کہ: (میں نے ان جیسا کوئی اور ہاشمی نہیں دیکھا)، وہ اپنی سند سے اس حدیث کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں: (میرے گھر کو میلا نہ بناؤ (کہ لوگ وہاں اکھٹا ہوں)، میرے اوپر سلام بھیجا کرو، کیوں کہ تم جہاں بھی رہو گے مجھے تمہارا سلام پہنچایا جائے گا)، یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ آپ کے گھر کے پاس جا کر آپ کو سلام پیش کرنے کی کوئی خاصیت نہیں ہے، اسی طرح آپ کے گھر کے پاس جا کر آپ پر درود بھیجنے کی

---

[1] اس حدیث کو أبو یعلی نے "المسند": ۱/۳۶۱، (۴۶۹) میں، ابن ابی شیبہ نے "المصنف" (۷۵۴۱:) میں، اور اسماعیل القاضی نے "فضل الصلاۃ علی النبی" (۲۰) میں روایت کیا ہے، البانی نے اس کتاب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: حدیث طرق اور شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے اور میں نے "تحذیر الساجد" میں اس کی تخریج کی ہے۔

بھی کوئی خاصیت نہیں[1]، بلکہ آپ نے اِس سے منع فرمایا ہے کہ درود وسلام صرف آپ کے گھر کے پاس آکر ہی پیش کئے جائیں[2]۔

اس اثر سے یہ فائدہ مستنبط ہوتا ہے کہ علی بن الحسین-جو کہ آل بیت نبوی ﷺ کے ان افراد میں سے ہیں جنہیں علم و عمل میں عظیم رتبہ حاصل تھا اور جو اپنے نانا حضور ﷺ کے حقوق سے عام لوگوں کی نسبت زیادہ باخبر تھے-نے اس شخص کی نکیر کی جو قبر نبوی ﷺ کے پاس آکر دعا کرتا تھا، اس نکیر پر کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے تابعین کا اس بات پر اجماع تھا کہ قبروں کے پاس دعا کرنا حرام ہے۔

چوتھی دلیل: قبروں کے پاس دعا کا اہتمام کرنا باطل عمل ہے، اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو چیز اس عمل پر آمادہ کرتی ہے وہ ان قبروں میں مدفون مُردوں کی تعظیم ہے، جب کہ واجب یہ ہے کہ بندہ مسلم کو دعا اور تمام عبادات پر جو چیز آمادہ کرے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعظیم ہو، نہ کہ قبروں میں مدفون مُردوں اور ان جیسے دیگر مخلوق کی تعظیم۔

---

(1) آپ کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے: "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو میلا نہ بناؤ...."۔

(2) الرد علی الاخنائی:۲۶۵

پانچویں دلیل: بزرگوں کی قبروں کے پاس اللہ کو پکارنا اس بات کا بڑا ذریعہ ہے کہ انسان اور بطور خاص وہ شخص جو بے کسی اور لاچاری کی حالت میں ہو (وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر) خود صاحبِ قبر (مُردہ) کو پکارنے لگے، جو عمل کسی حرام عمل کا ذریعہ ہو، وہ بھی حرام ہے، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الأمر بالاتباع والنہی عن الابتداع" میں رقم طراز ہیں:

قبروں کے پاس اثر انگیز حکایتیں بیان کی جاتی ہیں، مثلا یہ کہ ایک شخص نے وہاں پر دعا کی اور اس کی دعا قبول ہوگئی، یا اس نے فلاں قبر کے لیے نذر مانی اور اس کی ضرورت پوری ہوگئی، یا اس قبیل کی دیگر حکایتیں، اسی طرح کی حکایتوں کے ذریعہ بتوں کی پوجا شروع ہوئی، اور انہی شبہات کے ذریعہ روئے زمین پر شرک کا آغاز ہوا[1]۔

---

[1] ص:۱۲۳

قبروں پر دعا کرنے سے متعلق امام مالک اور دیگر علما کے اقوال

اس مسئلہ میں اہل علم کے جو اقوال منقول ہیں، ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی ہے جس میں انہوں نے قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے، اس لیے دیگر قبروں کے پاس دعا کرنا تو بدرجہ اولی بدعت ہو گا، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اہل مدینہ میں سے جو شخص مسجد (نبوی) میں آنا جانا کرے اس کے لیے قبر نبوی کی زیارت کرنا لازمی نہیں، بلکہ یہ اجنبیوں -دور دراز سے آئے ہوئے حضرات- کے لیے ہے۔

آپ مزید کہتے ہیں: جو شخص سفر سے آئے یا سفر پر جا رہا ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آکر درود پڑھ سکتا ہے اور آپ کے لیے اور ابو بکر و عمر کے لیے دعا کر سکتا ہے۔

آپ سے کہا گیا کہ: اہل مدینہ سفر سے نہ آئیں اور نہ سفر پر جائیں، پھر بھی وہ دن میں ایک یا ایک سے زائد مرتبہ ایسا کرتے ہیں، بسا اوقات جمعہ کے دن یا کئی دنوں کے فاصلے سے ایک دو یا اس سے زائد مرتبہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے اور لمبی دعائیں کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ہمارے شہر کے کسی فقیہ کے بارے میں مجھے ایسا علم نہیں ہے، اس سے باز رہنا ہی زیادہ بہتر ہے، اس امت کے آخری طبقہ کی اصلاح و بہتری اسی میں ہے جس میں اس کے پہلے طبقہ کی اصلاح و بہتری تھی، مجھے اس امت کے صدر اول کے تعلق سے ایسی کوئی روایت

نہیں ملی کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے، ایسا کرنا مکروہ ہے سوائے اس شخص کے لیے جو سفر سے آئے یا عازمِ سفر ہو۔

ابن القاسم[1] کہتے ہیں: میں نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ جب وہ مدینہ سے باہر نکلتے یا مدینہ میں داخل ہوتے تو قبر نبوی پر آکر سلام پیش کرتے، انہوں نے فرمایا کہ: یہ ایک رائے ہے۔

باجی[2] کہتے ہیں: اہل مدینہ اور اجنبیوں کے درمیان اس مسئلہ میں فرق ہے، کیوں کہ اجنبی اس کا قصد کرکے آتے ہیں، جب کہ اہل مدینہ یہاں مقیم ہیں، وہ مسجد نبوی میں زیارتِ قبر اور سلام کرنے کی غرض سے نہیں آتے[3]۔

---

[1] آپ عبد الرحمن بن القاسم ہیں، ملکِ مصر کے عالم ومفتی اور امام مالک کے شاگرد تھے، انہوں نے امام مالک اور دیگر مشائخ سے اخذ واستفادہ کیا، اور ان سے بھی ایک جماعت نے تحصیل علم کیا، آپ کی وفات سنہ ۱۹۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی سوانح کے لیے رجوع کیجئے: سیر أعلام النبلاء للذھبی: ۹/ ۱۲۰

تنبیہ: مطبوع کتاب میں ابن القاسم کے قول میں "رأی" کا لفظ آیا ہے، جب کہ "مجموع الفتاوی": ۲۸/ ۱۱۸ میں یہی قول لفظ "دأبی" (یعنی: یہی میرا عمل ہے) کے ساتھ منقول ہے۔

[2] آپ محمد بن عبد اللہ خولانی باجی ہیں، آپ ابن القون کے نام سے مشہور ہیں، آپ اشبیلیہ میں سکونت پزیر ہوگئے تھے، مالکی مذہب سے خوب واقف تھے، آپ ایک ثقہ، متقی اور خیر پسند شخص تھے، آپ کی وفات سنہ ۳۰۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی سوانح کے لیے رجوع کریں: تاریخ الإسلام للذھبی: ۷/ ۱۳۸-۱۳۹

[3] ان اقوال کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک سے اپنی کتاب "الشفا فی تعریف حقوق المصطفی": ۲/ ۹۸-۹۹ میں (باب فی حکم زیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم، وفضیلۃ من زارہ وسلم علیہ، وکیف یسلم ویدعو) کے تحت نقل کیا ہے، اور ان کی

ابن تیمیہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ مالک ہیں جو کہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے -یعنی مدینہ کے اندر تبع تابعین کے زمانہ میں۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں مدینہ کے باشندوں کو اس کا سب سے زیادہ علم تھا کہ قبر نبوی ﷺ پر کونسے اعمال مشروع ہیں -وہ سلام پیش کرنے کے بعد قبر کے پاس ٹھہر کر دعا کرنے کو مکروہ جانتے تھے، امام مالک نے بیان فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ آپ ﷺ اور ابو بکر و عمر کے لیے دعا کی جائے، درود و سلام کا یہی طریقہ مشروع ہے، نیز یہ کہ یہ عمل اہل مدینہ کے لیے ہمہ وقت مستحب نہیں ہے، بلکہ سفر سے واپسی یا سفر پر نکلتے وقت، کیوں کہ یہ سلام ہے، اور جس شخص کو سلام کرنا مقصود ہو اس کے گھر پر جاکر ہر وقت سلام نہیں کیا جاتا، بر خلاف ان کے جو سفر سے واپس ہو رہے ہوں[1]۔

میرا کہنا ہے کہ: مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر غور کریں: (آپ ﷺ اور ابو بکر و عمر کے لیے دعا کرے)، آپ نے یہ نہیں کہا کہ: اپنے لیے دعا کرے، کیوں کہ شریعت اسلامیہ کا یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے کہ قبر کی زیارت کا مقصد یہ ہے کہ میت کے لیے دعا کی جائے نہ کہ زائر اپنے لیے دعا کرے، تاہم زائر اس دعا میں ضمنی طور پر شامل ہوتا ہے جو قبرستان میں داخل ہوتے

نسبت سرخسی کی کتاب "المبسوط" کی طرف کی ہے، نیز ان اقوال کو ابن تیمیہ نے بھی نقل کیا ہے، دیکھیں: مجموع الفتاوی: ۲۷/۱۱۸

[1] مجموع الفتاوی: ۲۷/۱۱۸

وقت پڑھی جاتی ہے:"ویرحم الله المستقدمین منا والمستأخرین" (اللہ ہم میں سے اگلے اور پچھلے (دونوں) پر رحم فرمائے)، بھلا ایسے شخص کو کیسے سمجھایا جائے جس نے قبروں پر کی جانے والی دعا کا اصل مقصد ہی یہ بنالیا کہ وہ زائر کے لیے ہو، اور میت کو یکسر فراموش کردیا؟

قبر نبوی ﷺ کی زیارت سے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول آپ کے سامنے ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول معتبر اور وزنی ہے کیوں کہ ان کا زمانہ عہد نبوی سے قریب تھا اور وہ مدینہ کے اندر ہی سکونت پزیر تھے[1]۔

---

[1] اس مسئلہ میں ابن تیمیہ کا قول ملاحظہ کریں: مجموع الفتاوی:۲۷/۱۲۹-۱۳۰، اقتضاء الصراط المستقیم:۲/۲۲۷، اس مسئلہ میں مؤلف کی بات یہاں سے شروع ہوتی ہے:(الوجہ الثالث: فی کراہۃ قصدھا للدعاء)، نیز اس تعلق سے ابن القیم کا قول بھی ملاحظہ کریں: اغاثۃ اللہفان:۳۶۳ اور اس کے بعد۔

خلاصہ:

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قبروں پر دعا کرنے کی نہ تو یہ خصوصیت ہے کہ وہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی فضیلت ثابت ہے، بلکہ قبروں کا وہی حکم ہے جو دیگر ان مقامات کا ہے جن کے پاس دعا کرنے کی کوئی فضیلت نہیں ہے، جیسے نہروں کے تٹ پر، راستوں کے کنارے، اور اس طرح کے دیگر بے شمار مقامات، جن کو اللہ نے کوئی فضیلت نہیں بخشی۔

جب حقیقت یہ ہے تو (اس میں کوئی کلام نہیں رہ جاتا کہ) قبروں کے پاس اللہ سے دعا کرنے کا اہتمام کرنا بدعت ہے، اور اس دعا کی فضیلت کا دعوی کرنا دراصل اللہ کے ذمے ایسی بات لگانا ہے جس سے انسان واقف نہیں، جب کہ ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْيَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ [سورة الأعراف: 33].

ترجمہ: آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ

تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔

قبرستان کی زیارت کرنے والے کے لیے مشروع عمل یہ ہے کہ وہ اہل قبرستان پر سلام پیش کرے اور نبی ﷺ سے وارد یہ دعا کرے:

السلام على أهل الديار من المؤمنين والمسلمين، ويرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين، وإنا إن شاء الله بكم للاحقون"[1]۔

ترجمہ: سلامتی ہو ان گھروں کے مومنوں اور مسلمانوں پر، اللہ تعالی ہم میں سے اگلے اور پچھلے (دونوں) پر رحم فرمائے، اور اگر اللہ تعالی نے چاہا تو ہم تم سے ملنے ہی والے ہیں۔

بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ آیا ہے کہ: "أسأل الله لنا ولكم العافية"[2]۔

ترجمہ: میں اللہ سے اپنے لیے اور آپ سب کے لیے عافیت کی دعا کرتا ہوں۔

---

(1) مسلم: ۹۷۴ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا

(2) مسلم: ۹۷۵

باب: قبولیت دعا کے شرعی اسباب

کتاب کے شروع میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ پاک وبرتر نے اپنے بندوں کے لیے دعا کی قبولیت کے چند اسباب مشروع فرمائے ہیں، جو شخص ان اسباب کی تلاش وجستجو اور ان کا اہتمام کرے گا اس کی دعا قبولیت سے سرفراز ہوگی ان شاءاللہ تعالی۔ ذیل میں یہ اسباب اور ان کے متعلقات ذکر کئے جارہے ہیں، تاکہ قاری حق اور باطل سے پوری طرح آگاہ ہوسکے، کیوں کہ جب ہم بدعی (ایجاد کردہ) اسباب سے واقف ہوں گے تو ان سے اجتناب کریں گے اور جب شرعی اسباب سے واقف ہوں گے تو ان پر عمل پیرا ہوں گے، اس طرح باذن الٰہی ہمارا عمل بصیرت وآگہی پر مبنی ہوگا۔

دعا کی قبولیت کے اسباب چھ قسم کے ہیں:

پہلی قسم: وہ سبب جو دعا گو کی ذات سے متعلق ہے۔

دوسری قسم: وہ اسباب جو دعا گو کی عبادت سے متعلق ہیں، ان کی تعداد نو ہے۔

تیسری قسم: وہ اسباب جو دعا گو کی حالت سے متعلق ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے۔

چوتھی قسم: وہ اسباب جو دعا کے وقت سے متعلق ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے۔

پانچویں قسم: وہ اسباب جن کا تعلق زمان ومکان سے ہے، ان کی تعداد دو ہے۔

چھٹی قسم: وہ اسباب جن کا تعلق دعا کے آداب سے ہے، یہ بنیادی طور پر تیرہ ہیں۔

پہلی قسم: وہ سبب جو دعا گو کی ذات سے متعلق ہے

وہ صرف ایک سبب ہے، وہ یہ کہ دعا گو ان اوامر پر کاربند ہو جن کا اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور ان منہیات سے گریز کرتا ہو جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿وَيَسْتَجِيبُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِۦ﴾ [سورة الشورى:26].

ترجمہ: ایمان والوں اور نیکو کار لوگوں کی سنتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے اور بڑھا کر دیتا ہے۔

یعنی: ان کی دعا قبول کرتا ہے، اس آیت میں اللہ نے دعا کی قبولیت کو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا ہے۔

نیز فرمان باری تعالی ہے:﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُواْ لِي وَلْيُؤْمِنُواْ بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝١٨٦﴾ [سورة البقرة:186].

ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں، اس

لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔

اللہ جن کی دعا قبول فرماتا ہے، انہیں "عباد" یعنی بندوں سے موصوف کیا ہے، اور یہ معلوم سی بات ہے کہ بندوں کو اس سے موصوف کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ اطاعتیں بجالاتے اور برائیوں سے باز رہتے ہیں۔

ایک قابل ستائش اطاعت یہ بھی ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کی جائے، تابعین کے زمانے میں ایک نیک بزرگ تھے جو اپنی والدہ کی فرمانبرداری کرتے تھے، ان کا نام اویس قرنی ہے، نبی ﷺ نے لوگوں کو ان سے دعا طلب کرنے کی رہنمائی فرمائی تھی، چنانچہ اسیر بن جابر روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: سب سے افضل تابعی اویس نامی شخص ہوگا، اس کی ایک والدہ ہوگی، اس کو (برص-بیماری- کی) سفیدی (ہوگئ) تھی (تو اس نے اللہ سے دعا کی' اللہ نے دور کردی)، تم اس سے کہنا کہ تمہارے لیے دعا کرے۔

چنانچہ عمر بن خطاب کے پاس جب اہل یمن کی کمک (وہ فوج جو لڑائی میں مدد کے لیے بھیجی جائے) پہنچتی تو وہ ان سے پوچھتے کہ: کیا تم میں کوئی اویس بن عامر ہے؟ یہاں تک کہ اویس

سے ان کی ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان سے کہا: آپ میرے لیے دعا کر دیں، چنانچہ انہوں نے دعا کر دی[1]۔

نبی ﷺ نے اویس کو اپنی ماں کا نہایت فرمانبردار بیٹا بتایا، اور اس خوبی کو ان کے مستجاب الدعوات ہونے سے مربوط فرمایا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگوں کی دعائیں رد نہیں ہوتیں: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا، مظلوم اور منصف امام[2]۔

نبی ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ بکثرت ذکر الہی میں مشغول رہنے والے شخص کی دعا قریب از قبول ہوتی ہے کیوں کہ وہ حکم الہی کا پابند ہوتا ہے، اسی طرح عدل کرنے والے امام کی دعا بھی، کیوں کہ وہ اپنی رعایا کے تئیں اللہ کی اطاعت بجالاتا ہے، جو کہ ایک نیک کام ہے، کوئی معمولی کام نہیں۔

چونکہ نیک وپارسا شخص کی دعا قریب از قبولیت ہوتی ہے، اس لیے صحابہ کو جب بھی کوئی مصیبت لاحق ہوتی تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، تاکہ آپ ان کے لیے دعا

---

[1] اس حدیث کو مسلم: ۲۵۴۲ اور احمد: ۱/ ۳۸-۳۹ نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے بیہقی نے "شعب الایمان": (۵۸۸، ۷۳۵۸) میں روایت کیا ہے اور البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیں: "الصحیحۃ": ۱۲۱۱

فرمادیں، کیوں کہ یہ معلوم سی بات ہے کہ آپ ﷺ تمام صالحین سے بڑھ کر نیک وصالح تھے، چنانچہ خباب بن ارت روایت کرتے ہیں کہ: "ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اپنا حال زار بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ اس وقت اپنی چادر کا تکیہ لگائے کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے عرض کیا: کیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ اللہ سے ہمارے لیے دعائیں نہیں کریں گے؟"[1]۔

خلاصہ یہ کہ دعا گو کے اندر جس قدر صالحیت اور اللہ کی قربت ہوگی، اس کی دعا بھی اسی قدر قبولیت سے قریب تر ہوگی۔

دوسری قسم: وہ اسباب جو دعا گو کی عبادت سے متعلق ہیں، ان کی تعداد نو ہے:

۱- نماز میں سلام پھیرنے سے قبل دعا کرنا، ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری پہر اور نماز کے آخری حصہ میں کی جانے والی دعا[2]۔

یعنی: سلام پھیرنے سے قبل، کیوں کہ آخری حصہ کا مطلب ہے نماز کے اندر، اس کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، کہتے ہیں کہ: میں نماز پڑھ رہا تھا، اور نبی اکرم ﷺ موجود

---

[1] صحیح بخاری: ۳۶۱۲

[2] ترمذی (۳۴۹۹)، نسائی (۹۸۵۶) نے روایت کیا ہے اور البانی نے حسن کہا ہے۔

تھے، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما (بھی) آپ کے ساتھ تھے، جب میں (قعدہ اخیرہ میں) بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ کی تعریف کی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، پھر اپنے لیے دعا کی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مانگو، تمہیں دیا جائے گا، مانگو تمہیں دیا جائے گا"[1]۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: (ہمارے شیخ[2] کے نزدیک راجح تھا کہ اس دعا کا مقام سلام پھیرنے سے قبل ہے، میں نے اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا تو آپ نے فرمایا: ہر چیز کا آخری حصہ اس کا ایک جزو ہوتا ہے، جیسے جانور کا آخری حصہ)[3]۔

۲- سجدہ کی حالت میں دعا کرنا، اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: سجدہ میں دعا کی خوب کوشش کرو کیوں کہ اس میں تمہاری دعا قبول کئے جانے کے لائق ہے[4]۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا (سجدے میں) تم لوگ بکثرت دعا کیا کرو[5]۔

---

[1] ترمذی (۵۹۳) نے اسے روایت کیا ہے اور البانی نے حسن صحیح کہا ہے۔

[2] یعنی ابن تیمیہ

[3] زاد المعاد: ۱/ ۳۰۵

[4] مسلم: (۴۷۹) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند (۱/ ۱۵۵) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، مسند احمد کے محققین نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔

[5] مسلم: ۴۸۲

۳-روزہ دار کی دعا، اس کی دلیل نبی ﷺ کی حدیث ہے: تین دعائیں ہیں جو رد نہیں ہوتیں: والد کی دعا، روزہ دار کی دعا اور مسافر کی دعا[1]۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ **حالت روزہ میں** روزہ دار کا دعا کرنا قبولیت کے اسباب میں سے ہے، جب کہ لوگوں کے درمیان مشہور ہے کہ **افطار کے وقت** روزہ دار کا دعا کرنا بھی قبولیت کے اسباب میں سے ہے، لیکن اس سلسلے میں جو معتمد علیہ حدیث ہے وہ ضعیف ہے، قابل اعتماد نہیں، وہ عبد اللہ بن عمرو کی حدیث ہے، کہتے ہیں کہ: نبی ﷺ نے فرمایا: (افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے)، اسی بنا پر عبد اللہ بن عمر جب افطار کے لیے بیٹھتے تو آل واولاد کو جمع کر کے دعا کا اہتمام کرتے[2]۔

۴-حاجی اور معتمر کی دعا، کیوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (حج اور عمرہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بلایا تو انہوں نے حاضری دی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تو اس نے انہیں عطا کیا)[3]۔

---

[1] اسے بیہقی (۳/۳۴۵) نے انس بن مالک سے روایت کیا ہے اور البانی نے "الصحیحۃ":۱۷۹۷ میں اس کی تخریج کی ہے۔

[2] اسے ابن ماجہ (۱۷۵۳) اور طیالسی نے اپنے مسند (۶/۲۳۷) میں روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ طیالسی کے ہیں، اس حدیث کے ضعیف ہونے کی وجوہات "الإرواء":۴/۴۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

[3] اسے ابن ماجہ (۲۸۹۳) نے روایت کیا ہے اور البانی نے حسن کہا ہے، دیکھیں: الصحیحۃ: ۱۸۲۰

۵-ملتزم کے پاس دعا کرنا، اس سے مراد کعبہ کا وہ حصہ ہے جو حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے، اسے ملتزم سے اس لیے موسوم کیا گیا کیوں کہ لوگ اس سے چمٹ کر دعا کیا کرتے ہیں، اس کے پاس دعا کرنے کی فضیلت نبی ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ (طواف کے دوران) حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان اپنا سینہ، اپنا چہرہ، اپنا دونوں ہاتھ اور اپنی دونوں ہتھیلیاں رکھا کرتے تھے[1]۔ نیز یہ بھی وارد ہے کہ فتح مکہ کے موقع سے آپ اور آپ کے صحابہ نے (بیت اللہ کے دروازے سے لے کر حطیم تک کعبہ سے چمٹ کر) اپنے رخسار بیت اللہ سے لگا دیے اور رسول اللہ ﷺ ان سب کے بیچ میں تھے[2]۔

مجاہد کہتے ہیں کہ: میں ابن عباس کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان محو دعا ہیں[3]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

---

[1] اسے أبو داود (۱۸۹۹)، ابن ماجہ (۲۹۶۲)، بیہقی (۵/ ۹۳) نے عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے، ابن ماجہ کی روایت میں لفظ (رخسار) کا اضافہ ہے، اسے البانی نے اس کے بعد والی حدیث اور اثر کی روشنی میں حسن قرار دیا ہے، دیکھیں: الصحیحۃ: ۲۱۳۸
[2] اسے ابو داود (۱۸۹۸)، احمد (۳/ ۴۳۱) اور بیہقی (۵/ ۹۲) نے روایت کیا ہے۔
[3] اس حدیث کو عبد الرزاق (۹۰۴۷) نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

"اگر (حاجی ومعتمر) یہ چاہے کہ ملتزم-جو کہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے- سے چمٹ کر اپنا سینہ، اپنا چہرہ، اپنے ہاتھ اور ہتھیلیاں اس پر رکھے، تو وہ ایسا کر سکتا ہے، وہ چاہے تو طواف وداع سے قبل بھی ایسا کر سکتا ہے، کیوں کہ یہ عمل حالتِ وداع کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ صحابہ کرام مکہ میں داخل ہوتے وقت بھی ایسا کیا کرتے تھے... اگر (حاجی ومعتمر) صرف باب کعبہ کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے اور بیت اللہ سے نہ چمٹے تو یہ بھی درست ہے..."[1]-

٦- آب زمزم نوش کرتے وقت دعا کرنا، حضرت جابر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمزم کا پانی اس مقصد اور فائدے کے لیے ہے جس کے لیے وہ پیا جائے[2]۔

٧- جن اعمال صالحہ کو اللہ نے قبولیت دعا کا سبب قرار دیا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات مقدسہ کے ذریعہ اس کا وسیلہ اختیار کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ فَٱدۡعُوهُ بِهَاۖ﴾ [سورة الأعراف:180].

ترجمہ: اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔

---

(1) مجموع الفتاوی: ٢٦/ ١٤٢

(2) اس حدیث کو احمد (٣/٣٥٧) اور ابن ماجہ (٣٠٦٢) نے روایت کیا ہے، اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ بندہ اس انداز میں دعا کرے: اے رحمن! مجھ پر رحم فرما، اے رزاق! مجھے رزق عطا کر، اے غفار! مجھے بخش دے۔ وغیرہ

۸- جن اعمال صالحہ کو اللہ نے قبولیت دعا کا سبب قرار دیا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایسے نیک وصالح شخص کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا جائے جو باحیات، موجود اور دعا پر قادر ہو، وہ اس طرح کہ بندہ مسلم کسی نیک وصالح انسان کے پاس جائے اور یہ گزارش کرے کہ اللہ عزوجل سے اس کے حق میں فلاں چیز کی دعا کر دے، مثلا یہ کہ اللہ اس کی حالیہ مصیبت کو دور فرمادے، یا اسے توفیق اور کامیابی سے نوازے۔ یہ طریقہ اختیار کرنا بھی قبولیت دعا کے اسباب میں سے ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی، یا انہیں قحط سالی کا سامنا ہوتا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے دعا کی درخواست کرتے، یہ عمل بعض اسلاف سے بھی وارد ہے۔

۹- جن اعمال صالحہ کو اللہ نے قبولیت دعا کا سبب قرار دیا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ دعا گو اپنے کسی نیک عمل کا وسیلہ اختیار کرے، مثلا یہ کہے کہ: اے اللہ! تجھ پر ایمان لانے، تیرے رسول کی اتباع اور والدین کی فرماں برداری کرنے کے طفیل میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، میری مصیبت کو دور کر دے، مجھے اولاد سے نواز۔ وغیرہ۔

اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی دلیل اللہ نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ مومنوں نے اپنے ایمان کے وسیلہ سے یہ دعا کی کہ اللہ انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:﴿ رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيٗا يُنَادِي لِلۡإِيمَٰنِ أَنۡ ءَامِنُواْ بِرَبِّكُمۡ فَـَٔامَنَّاۚ رَبَّنَا فَٱغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ ٱلۡأَبۡرَارِ ١٩٣ ﴾ [سورة آل عمران:193].

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا باآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یاالٰہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کردے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ تین نوجوان (جنھوں نے ایک غار میں پناہ لی) اور اس کا دروازہ بند ہوگیا، انہوں نے اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے ہی دعا کی، چنانچہ ایک نے والدین کی فرماں برداری کو وسیلہ بنایا، تو دوسرے نے زنا سے پاک دامن رہنے کا وسیلہ اختیار کیا اور تیسرے نے معاملات میں اپنی امانت داری کو وسیلہ بنایا، ان کی دعا قبول ہوئی اور چٹان (غار کے منہ سے) سرک گئی اور وہ باہر نکل آئے، یہ قصہ صحیحین میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

تیسری قسم: وہ اسباب جو دعا گو کی حالت سے متعلق ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے

۱-مظلوم کی دعا، کیوں کہ نبی ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے انہیں وصیت فرمائی: مظلوم کی آہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے[1]۔

۲-باپ کا اپنی اولاد کے حق میں دعا یا بددعا کرنا، اس کی دلیل نبی ﷺ کی یہ حدیث ہے: تین دعائیں رد نہیں ہوتیں: باپ کی دعا، روزہ دار کی دعا، اور مسافر کی دعا[2]۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں: باپ کی دعا، مسافر کی دعا، مظلوم کی دعا۔

ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور اولاد پر باپ کی بددعا[3]۔

۳-مسافر کی دعا، مذکورہ احادیث اس کی دلیل ہیں۔

---

(1) اسے بخاری (۱۴۹۶) اور مسلم (۱۹) نے روایت کیا ہے۔

(2) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

(3) اسے ابوداود (۱۵۳۶)، ترمذی (۱۹۰۵) نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے حسن کہا ہے۔

۴-اپنے مسلمان بھائی کے لیے غائبانے میں کی جانے والی دعا، اس کی دلیل ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ بندہ مسلم جو اپنے بھائی کے لیے غائبانے میں دعا کرتا ہے، فرشتے اس کی دعا پر کہتے ہیں: تیرے لیے بھی اسی جیسا ہو[1]۔

احمد کی روایت میں ہے کہ: آمین، تیرے لیے بھی اسی جیسا ہو[2]۔

۵-مرغ کی بانگ سنتے وقت کی جانے والی دعا، کیوں کہ حدیث ہے: جب مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کے فضل کا سوال کیا کرو، کیوں کہ اس نے فرشتے کو دیکھا ہے اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیوں کہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے[3]۔

تنبیہ: بارش کے وقت دعا کرنے کی فضیلت، ابوداود-الفاظِ حدیث اسی کے روایت کردہ ہیں-، بیہقی اور ابن ابی عاصم نے موسی بن یعقوب زمعی سے، اس نے ابو حازم سے، اس نے سہل بن سعد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو (وقت کی) دعائیں رد نہیں کی جاتیں، یا کم ہی رد کی جاتی ہیں: ایک اذان کے بعد کی دعا، دوسرے لڑائی کے وقت کی، جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں"۔ موسیٰ کہتے ہیں: مجھ سے زریق بن سعید بن

---

[1] اسے مسلم (۲۷۳۲) نے روایت کیا ہے اور مذکورہ الفاظ مسلم ہی کے ہیں، مکمل قصہ کے لیے دیکھیں: المسند: ۶/۴۵۲

[2] اسے احمد نے "مسند" (۶/۴۵۲) میں روایت کیا ہے۔

[3] اسے بخاری (۳۳۰۳)، مسلم (۲۷۲۹) نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

عبدالرحمٰن نے بیان کیا، وہ ابو حازم سے روایت کرتے ہیں، وہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے کہ آپ نے فرمایا: "اور بارش کے وقت کی دعا"[1]۔

یہ حدیث منکر ہے، کیوں کہ موسی بن یعقوب زمعی سیئ الحفظ (حافظہ کے کمزور) ہیں، انہوں نے امام مالک کی مخالفت کرتے ہوئے اسے مرفوعا روایت کیا ہے، چنانچہ مرفوع روایت کا حکم یہ ہے کہ وہ "زیادۃ منکرۃ" (قابل نکیر اضافہ) ہے۔

موسی کے شیخ زریق بن سعید بن عبدالرحمن مدنی مجہول راوی ہیں، انہوں نے مالک کی مخالفت کرتے ہوئے اس حدیث میں (بارش کے وقت) کا اضافہ کیا ہے، امام مالک نے "مؤطا" میں کتاب الصلاۃ کے اندر، باب "ماجاء في النداء للصلاۃ" کے تحت اس حدیث کو ابو حازم بن دینار عن سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا۔ اسے مرفوعا روایت نہیں کیا اور نہ ہی (بارش کے وقت) کا ذکر کیا۔

---

[1] اسے ابوداود (۲۵۴۰)، بیہقی (۱/ ۴۱۰) اور ابن ابی عاصم نے کتاب الجہاد (۱۸، ۱۹) تحقیق: مساعد الراشد، ناشر: مکتبۃ العلوم والحکم - مدینہ میں روایت کیا ہے۔

بیہقی اس حدیث کو "السنن الکبری"[1] میں مالک کے طریق سے روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں: "اسے زمعی نے مرفواعا روایت کیا ہے اور امام مالک بن انس نے موقوفا روایت کیا ہے"۔

اس حدیث کو البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی تصحیح کی بنیاد کیا ہے، دیکھیں: "صحیح ابی داود الکبیر"[2]۔

دوسری تنبیہ: بعض اہل علم سے منقول ہے کہ وہ بارش کے وقت دعا کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، ممکن ہے کہ اس باب میں وارد ضعیف احادیث کو مجموعی طور پر سامنے رکھتے ہوئے وہ ایسا مانتے ہوں، اس بابت ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: بارش کے وقت دعا کرنا مستحب ہے[3]۔

ابن قیم کہتے ہیں: میں نے بہت سارے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ نزول بارش اور اقامت صلوۃ کے وقت قبولیت کی دعا کرتے ہیں[4]۔ مزید دیکھیں: "الصحیحۃ"[5]۔

---

[1] ۱/۴۱۰

[2] ۷/۲۹۴-۲۹۵

[3] دیکھیں: مجموع الفتاوی: ۲۷/۱۲۹

[4] زاد المعاد: ۱/۴۶۲

[5] حدیث نمبر: ۱۴۶۹

چوتھی قسم: وہ اسباب جو دعا کے وقت سے متعلق ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے

۱-جمعہ کے دن جو فضیلت کا وقت ہے، اس میں دعا کرنا، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے ذکر میں ایک دفعہ فرمایا کہ اس دن ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے جس میں اگر کوئی مسلمان بندہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی چیز اللہ پاک سے مانگے تو اللہ پاک اسے وہ چیز ضرور دیتا ہے۔ ہاتھ کے اشارے سے آپ نے بتلایا کہ وہ ساعت بہت تھوڑی سی ہے[1]۔

حدیث کا ٹکڑا: (وہ ساعت بہت تھوڑی ہوتی ہے) اس بات کا اشاریہ ہے کہ وہ وقت بہت مختصر ہوتا ہے اور جلد ہی گزر جاتا ہے۔

اس وقت کی تعیین کے سلسلہ میں دو حدیثیں آئی ہیں، پہلی حدیث ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ: وہ (ساعت) امام کے (منبر پر) بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے کے درمیان ہے[2]۔

نوٹ: اس تنبیہ اور اس سے قبل کی تنبیہ میں مذکور فوائد سے مجھے شیخ احمد بن علی رداعی یمنی حفظہ اللہ نے مطلع فرمایا۔

[1] اسے بخاری (۹۳۵) اور مسلم (۸۵۲) نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے مسلم (۸۵۳) نے روایت کیا ہے، لیکن ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کے اندر اضطراب اور انقطاع پایا جاتا ہے، دیکھیں: دارقطنی کی کتاب التتبع: ۲۷۳، تحقیق ودراسہ: مقبل بن ہادی الوداعی، نیز دیکھیں شیخ ربیع المدخلی کی

دوسری حدیث جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جمعہ کا دن بارہ ساعت (گھڑی) کا ہے، اس میں ایک ساعت (گھڑی) ایسی ہے کہ کوئی مسلمان اس ساعت کو پا کر اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ اسے ضرور دیتا ہے، لہٰذا تم اسے عصر کے بعد آخری ساعت (گھڑی) میں تلاش کرو[1]۔

ابن قیم زاد المعاد میں رقم طراز ہیں: اس مسئلہ میں جتنے بھی اقوال نقل کئے گئے ہیں، ان میں سب سے راجح دو اقوال ہیں جو کہ صحیح احادیث میں ذکر کئے گئے ہیں، ان دو میں بھی ایک قول زیادہ راجح ہے۔

پہلا قول: وہ (ساعت) امام کے (منبر پر) بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے کے درمیان ہے، اس کی دلیل ابو موسی کی حدیث ہے۔

دوسرا قول: یہ ساعت عصر کے بعد ہے، یہ راجح ترین قول ہے، عبد اللہ بن سلام، ابو ہریرۃ، امام احمد اور ایک جماعت اسی قول کے قائل ہیں، اس کی دلیل ابو سعید اور ابو ہریرۃ سے

کتاب: "بین الامامین مسلم والدار قطنی": ۲۱۶، ابن حجر کی کتاب "فتح الباری" میں حدیث ۹۳۵ کی شرح بھی ملاحظہ کریں۔ البانی نے "ضعیف ابی داود الکبیر": ۹/ ۳۹۷-۳۹۸ میں ان کی موافقت کی ہے۔

[1] اسے ابو داود (۱۰۴۸)، نسائی (۱۳۸۸) نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ نسائی کے ہیں، اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

مروی حدیث ہے جسے احمد نے مسند [1] میں روایت کیا ہے، اور جابر کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے۔

سعید بن منصور نے اپنے "سنن" میں ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے روایت کیا ہے کہ چند صحابہ کرام اکھٹے تھے کہ ان کے درمیان روز جمعہ کی اس گھڑی کا ذکر چھڑ گیا، وہ جب اس مجلس سے اٹھے تو ان سب کا اتفاق ہو چکا تھا کہ یہ گھڑی روز جمعہ کا آخری پہر (عصر کے بعد) ہے [2]۔

ابن قیم مزید لکھتے ہیں: اکثر اسلاف کا یہی قول ہے، بیشتر احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں، دوسرے نمبر پر یہ قول آتا ہے کہ اس گھڑی سے مراد نماز جمعہ کا وقت ہے، اس کے علاوہ دیگر اقوال کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

میرے نزدیک نماز کا وقت بھی قبولیت کے اوقات میں سے ہے، دونوں ہی اوقات قبولیت کے ہیں، اگر اس مخصوص ساعت سے مراد عصر کے بعد (دن کی) آخری گھڑی لی جائے تو یہ دن کا ایک متعین وقت ہو گا، جس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہو سکتی، لیکن اگر اس سے مراد نماز کا وقت لیا جائے تو اس میں نماز کے وقت کی طرح تقدیم وتاخیر بھی ہو گی، کیوں کہ جب مسلمان ایک ساتھ اکھٹے ہو کر نماز ادا کرتے، رب سے لو لگاتے، اللہ کے حضور گریہ وزاری

---

[1] ۲/۲۷۲

[2] اسے البانی نے "صعیف ابی داود الکبیر" میں صحیح کہا ہے: ۹/۳۹۸

کرتے ہیں تو قبولیت دعا میں اس کا اثر ہوتا ہے، چنانچہ مسلمانوں کے اجتماع کے وقت قبولیت دعا کی زیادہ امید ہوتی ہے، اس تطبیق کی رو سے تمام احادیث (معنوی اعتبار سے) باہم متفق ہو جاتی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو ان دونوں اوقات میں رب تعالی سے لو لگانے اور اس کے حضور گریہ وزاری کرنے کی رغبت دلائی ہے[1]۔

اس تفصیل کی روشنی میں (ہم یہ کہہ سکتے ہیں) کہ ابو ہریرۃ کی پہلی حدیث میں وارد (کھڑا نماز پڑھ رہا ہو) سے مراد یہ ہے کہ دعا کر رہا ہو، کیوں کہ لفظِ صلاۃ دعا کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس فرمان میں وارد ہوا ہے: ﴿وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٞ لَّهُمۡۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ١٠٣﴾ [سورة التوبة:103]. (آپ ان کے لیے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان ہے) اس آیت میں لفظِ صلاۃ دعا کے معنی میں وارد ہوا ہے[2]۔

حدیث (کھڑا ہو کر دعا کر رہا ہو) میں کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یکسوئی کے ساتھ دعا کر رہا ہو، نہ کہ حالتِ دعا میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔

۲- رات کے درمیانی حصہ میں کی جانے والی دعا، اس کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، کہتے ہیں کہ: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: رات میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس

---

[1] دیکھیں: زاد المعاد: ۱/ ۳۸۸-۳۸۹، مع اختصار و تصرف

[2] دیکھیں: تفسیر جریر میں اس آیت کی شرح

وقت جو مسلمان آدمی اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرتا ہے اور یہ (گھڑی) ہر رات میں ہوتی ہے[1]۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارا رب ہر رات جس وقت رات کا آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، آسمانِ دنیا پر اترتا ہے، پھر فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں؟"[2]۔

مذکورہ دونوں حدیث کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس مبارک گھڑی کو پانے کا سب سے پر امید وقت رات کی آخری تہائی ہے۔

۳-رات کو بیدار ہوتے وقت کی جانے والی دعا، یعنی جب رات میں نیند کھلے (تو دعا کرے)، یہ وقت مذکورہ احادیث میں ذکر کردہ وقت کی بنسبت زیادہ عام ہے، کیوں کہ ان احادیث سے مراد رات کا درمیانی حصہ ہے، جب کہ اِس حدیث کے اندر پوری رات شامل ہے، اس کی دلیل عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص رات کو بیدار ہو کر یہ دعا پڑھے «لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير. الحمد لله، وسبحان الله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ولا

---

[1] اسے مسلم (۷۵۷) نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے بخاری (۱۱۴۵) اور مسلم (۷۵۸) نے روایت کیا ہے۔

حول ولا قوة إلا بالله» (ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کے لیے ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اللہ کی ذات پاک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کی مدد کے بغیر نہ کسی کو گناہوں سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی ہمت) پھر یہ پڑھے «اللهم اغفر لي» (ترجمہ: اے اللہ! میری مغفرت فرما)۔ یا (یہ کہا کہ) کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز بھی مقبول ہوتی ہے"[1]۔

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص اپنے بستر پر پاک و صاف ہو کر سونے کے لیے جائے اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے (اسے نیند آجائے)[2] تو رات کے جس کسی لمحے میں بھی بیدار ہو کر وہ دنیا و آخرت کی جو کوئی بھی بھلائی، اللہ سے مانگے گا اللہ اسے وہ چیز ضروری عطا کرے گا"[3]۔

---

[1] اسے بخاری (۱۱۵۴) نے روایت کیا ہے۔

[2] مابین القوسین کو البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے، دیکھیں: "الکلم الطیب": ۴۳، ناشر: مکتبۃ المعارف-ریاض

[3] اسے ابو داود (۵۰۴۲)، ترمذی (۳۵۲۶) اور نسائی نے "الکبری" میں روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

۴-ماہِ رمضان کی دعا، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: (رمضان کے) ہر دن اور رات میں اللہ کچھ بندوں کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے، ان میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے[1]۔

۵-اذان اور اقامت کے درمیان کی جانے والی دعا، انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی[2]۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اثر میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! مؤذنوں کو ہم پر فضیلت حاصل ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتے ہیں (یعنی اذان کا جواب دو)، پھر جب تم اذان ختم کر لو تو (اللہ تعالیٰ سے) مانگو، تمہیں دیا جائے گا"[3]۔

---

[1] اسے احمد (۲/۲۵۴) نے روایت کیا ہے اور "مسند" کے محققین نے کہا کہ: اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے: ۱۲/۴۲۰، بزار نے بھی اپنی سند سے اسے روایت کیا ہے، دیکھیں: "کشف الاستار" (۹۶۲) اور البانی نے "صحیح الترغیب" (۱۰۰۲) میں اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔

[2] اسے ابوداود (۵۲۱) نے روایت کیا ہے اور الفاظ ان کے ہی روایت کردہ ہیں، ترمذی (۲۱۲)، اور احمد (۳/۱۵۵) نے بھی اسے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

[3] اسے ابوداود (۵۲۴) نے روایت کیا ہے اور البانی نے حسن صحیح کہا ہے۔

پانچویں قسم: وہ اسباب جو زمان ومکان سے متعلق ہیں، وہ دو ہیں

۱-حاجی کے لیے یوم عرفہ کی دعا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: سب سے بہتر دعا عرفہ والے دن کی دعا ہے[1]۔

۲-حاجی کے لیے روز عید کی صبح کو مشعر حرام کی دعا، جو کہ منی کی جہت سے مزدلفہ کے کنارے پر واقع ہے، اس کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے جس میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیل ذکر کی ہے، اس میں ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں رات گزاری، اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مشعرِ حرام میں آئے اور وہاں قبلہ کی طرف منہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ اکبر کہا اور لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کی توحید پکاری اور وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ خوب روشنی ہوگئی[2]۔

معلوم ہوا کہ اس وقت اس خاص جگہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے دعا کا اہتمام کرنا مسنون اور قبولیت کے قریب تر ہے ان شاء اللہ۔

---

[1] اسے ترمذی (۳۵۸۵) نے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے حسن کہا ہے۔

[2] اسے مسلم نے روایت کیا ہے: (۱۲۱۸)

چھٹی قسم: وہ اسباب جو دعا کے آداب سے متعلق ہیں، یہ بنیادی طور پر تیرہ ہیں

۱- دعا کرتے ہوئے اللہ سے حسن ظن اور قبولیتِ دعا کا یقین رکھنا، کیوں کہ حدیث ہے: تم اللہ سے دعا مانگو اور اس یقین کے ساتھ مانگو کہ تمہاری دعا ضرور قبول ہو گی[1]۔

یعنی یہ یقین رکھنا کہ اللہ آپ کو مایوس نہیں کرے گا، یہ اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب کہ دعا گو صدق دل سے اخلاص کے ساتھ دعا کرے، کیوں کہ جب تک اس کی امید قوی نہیں ہو گی تب تک دعا میں اخلاص و للّٰہیت اور خشوع وانابت نہیں آسکتی، اس لیے کہ دل بادشاہ ہے اور اعضاو جوارح اس کے غلام۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالی فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں[2]۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں[3]۔

---

[1] اسے ترمذی (۳۴۷۹) اور حاکم (۱/ ۴۹۳) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور البانی نے "الصحیحۃ": ۵۹۴ میں اسے حسن کہا ہے۔

[2] بخاری: (۷۴۰۵) اور مسلم (۲۶۷۵) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[3] صحیح مسلم (۲۶۸۵)

۲-الحاح وزاری، رقت قلب، اخلاص اور انکساری کے ساتھ دعا کرے، کیوں کہ اخلاص اور انکساری قبولیت کے راز ہیں، اس میں اللہ کے اس فرمان کی تعمیل ہے کہ: ﴿ٱدۡعُواْ رَبَّكُمۡ تَضَرُّعٗا وَخُفۡيَةًۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُعۡتَدِينَ ۝٥٥﴾ [سورة الأعراف:55].

ترجمہ: اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور خفیہ طور پر پکارو۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کو بھی کوئی فکر یا کوئی غم لاحق ہوتا ہے اور وہ یہ دعا کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کی فکر و غم کو دور کر دیتا اور اس کی جگہ اسے خوشی نصیب کرتا ہے۔:"اللهم إني عبدك، ابن عبدك، ابن أمتك، ناصيتي بيدك، ماض في حكمك، عدل في قضاؤك، أسألك بكل اسم هو لك، سميت به نفسك، أو علمته أحدا من خلقك، أو أنزلته في كتبك، أو استأثرت به في علم الغيب عندك، أن تجعل القرآن ربيع قلبي، ونور صدري، وجلاء حزني، وذهاب همي"

(ترجمہ: اے اللہ میں تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا تیری بندی کا بیٹا تیرا حکم مجھ میں جاری ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس خاص نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے خود کو موسوم کیا ہے یا اسے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو وہ سکھایا ہے یا علم الغیب میں اسے اپنے پاس رکھنے کو ترجیح دی ہے کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے غم کو دور کرنے والا اور میرے فکر کو لے

جانے والا بنادے)۔ آپ سے دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس دعا کو سیکھ نہ لیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، جو بھی اس دعا کو سنے، اسے چاہیے کہ اسے سیکھ لے "[1]۔

پوشیدہ طور پر دعا کرنے کے دس فوائد ہیں جنہیں ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے، دیکھیں: مجموع الفتاوی:۱۵/۱۵-۲۲

۳- حضور قلب اور یکسوئی کے ساتھ دعا کرنا، کیوں کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے:

تم اللہ سے دعا مانگو اور اس یقین کے ساتھ مانگو کہ تمہاری دعا ضرور قبول ہو گی، اور (اچھی طرح) جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پروائی اور بے توجہی سے مانگی ہوئی اور غفلت و لہو ولعب میں مبتلا دل کی دعا قبول نہیں کرتا[2]۔

(یعنی دعا کرتے وقت دل دماغ حاضر رہنا چاہیے، معانی کو سمجھ کر دعا کریں، اور یاد رکھیں کہ آپ رب عزت وجلال سے مخاطب ہیں، اس لیے یہ زیبا نہیں کہ آپ بندہ ناچیز اپنے آقا کو ایسی بات سے خطاب کریں جسے آپ خود نہیں سمجھ رہے ہوں، یا ایسے جملے دہراتے رہیں جن کے معنی و مطلب کو سمجھے بغیر ہی آپ دہرانے کے عادی ہو چکے ہوں)[3]۔

---

[1] اسے احمد نے "مسند": ۱/ ۳۹۱ میں روایت کیا ہے اور البانی نے "الصحیحۃ": ۱۹۹ میں اسے صحیح کہا ہے۔

[2] اس حدیث کا حوالہ گزر چکا ہے۔

[3] کتاب الدعاء لعبد اللہ الحضیری: ۲۳، ناشر: مدار الوطن - ریاض

سورہ اعراف کی آیت ہے:﴿ٱدۡعُواْ رَبَّكُمۡ تَضَرُّعٗا وَخُفۡيَةًۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُعۡتَدِينَ ٥٥ وَلَا تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ بَعۡدَ إِصۡلَٰحِهَا وَٱدۡعُوهُ خَوۡفٗا وَطَمَعًاۚ﴾ [سورۃ الأعراف:55-56].

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑ گڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ تعالی ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔ اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید وار رہتے ہوئے۔

شیخ عبد الرحمن بن سعدی[1] رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "دعا کے اندر دعائے حاجت طلبی اور دعائے عبات گزاری دونوں شامل ہیں، اللہ نے گڑ گڑا کر دعا کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی حاجت طلبی کی دعا کریں تو الحاح وزاری کے ساتھ کریں اور عبادت گزاری کی دعا کریں تو یکسوئی اور انکساری کے ساتھ کریں، نیز یہ بھی حکم فرمایا کہ چپکے چپکے دعا کرے، یعنی

---

[1] آپ شیخ، علامہ ومفسر اور فقیہ عبد الرحمن بن ناصر السعدی ہیں، جن کا شمار نجد کے کبار علماء میں ہوتا ہے، قصیم کے شہر بریدہ میں وہ سکونت پزیر تھے، ان کی ولادت سنہ ۱۳۰۷ھ میں اور وفات سنہ ۱۳۷۶ھ میں ہوئی، بہت سے ایسے طلاب علم نے ان کی شاگردی اختیار کی جو بعد میں علما بن کر ابھرے، جیسے شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن عقیل، شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن البسام اور شیخ محمد بن صالح العثیمین وغیرہم۔ اللہ مُردوں پر رحم فرمائے اور زندوں کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

اتنی بلند آواز سے نہ کرے کہ ریاکاری کا خدشہ ہونے لگے، بلکہ رازدارانہ طور سے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دعا کرے۔

{واقعی اللہ تعالی ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں}، یعنی تمام معاملات میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے، یہ بھی حد سے تجاوز کرنا ہے کہ بندہ اللہ سے ایسی چیزوں کا سوال کرے جو اس کے لیے زیبا نہیں، یا دعا میں تکلف[1] سے کام لے، یا دعا کرتے ہوئے بہت زیادہ آواز بلند کرے، یہ تمام صورتیں حد سے تجاوز کرنے میں داخل ہیں جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

{دنیا میں فساد مت پھیلاؤ}، معصیت ونافرمانی کے ذریعہ، {بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے} اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ، کیوں کہ معصیت ونافرمانی، اخلاق، اعمال اور

---

[1] اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ سے جنت کی تفصیلی چیزوں کا سوال کرے، بے فائدہ اور بے سود کلام کرے، پر تکلف قافیہ بندی کرے، تفصیلی اوصاف کے ساتھ دعا کرے، لمبی چوڑی اور پیچیدہ بات کرے، جب کہ واجب یہ ہے کہ انہیں ترک کرکے جامع دعاؤں کو لازم پکڑے، آئندہ صفحات میں آئے گا کہ عبداللہ بن مغفل نے جب اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا تو ان کی نکیر کی کہ: اے اللہ! میں جب جنت میں داخل ہوں تو مجھے جنت کے دائیں طرف کا سفید محل عطا فرما۔
اس موضوع پر شیخ محمد بن احمد الفیفی حفظہ اللہ کی ایک مؤقر کتاب ہے جس کا عنوان ہے "الاعتداء فی الدعاء"، تفصیلی معلومات کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

رزق میں بگاڑ پیدا کرتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ظَهَرَ ٱلۡفَسَادُ فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِي ٱلنَّاسِ﴾ [سورة الروم: 41].

ترجمہ: خشکی وتری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔

اسی طرح اطاعت و فرمانبرداری سے اخلاق، اعمال، رزق اور دنیا وآخرت کے احوال میں صالحیت اور بہتری پیدا ہوتی ہے۔{تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید وار رہتے ہوئے}، یعنی اس کی سزا سے ڈرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی امید کرتے ہوئے، عبادت کی قبولیت کی امید کرتے ہوئے اور اس کے رد کئے جانے سے خوف کھاتے ہوئے، نہ کہ اس بندے کی طرح جو دعا کرکے یہ سمجھے کہ اس نے اپنے رب پر کوئی احسان کر دیا[1]، چنانچہ خود پسندی میں مبتلا ہو جائے اور اپنے آپ کو رب سے بھی فائق سمجھنے لگے، اور نہ ہی اس شخص کی طرح جو بے پروائی اور بے توجہی سے غفلت اور لہو ولعب میں مبتلا ہو کر دعا کرے۔

---

[1] اپنے رب پر احسان جتلانے کا یہ احساس عمل کو ضائع وبرباد کر دیتا ہے، قرآن میں ہے: (احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر)، نیز اللہ فرماتا ہے: (آپ کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ در اصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی)۔

اللہ نے دعا کے جو آداب ذکر فرمائے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ: دعا خالص اللہ وحدہ کے لیے ہو، اس کے اندر چپکے چپکے رازدارانہ طور پر دعا کرنا شامل ہے، نیز دل میں خوف وامید ہو، نہ کہ غفلت ولاپروائی کے ساتھ اور قبولیت سے بے توجہ ہو کر دعا کرے، دعا میں احسان کا یہی طریقہ ہے، کیوں کہ ہر عبادت میں احسان (احسن طریقے سے ادا کرنے کا مطلب) یہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں مکمل لگن اور انتہائی توجہ سے کام لیا جائے، اور اس طرح کامل انداز میں اسے ادا کیا جائے کہ کسی قسم کا نقص باقی نہ رہے"۔

۴- دعا کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر رب کے سامنے اپنے فقر واحتیاج کا اظہار کرے، اس سے اللہ عزیز وجبار کے حضور بندے کی پستی وانکساری اور فقر ودرماندگی ظاہر ہوتی ہے، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب بہت باحیا اور کریم (کرم والا) ہے، جب اس کا بندہ اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو انہیں خالی لوٹاتے ہوئے اسے اپنے بندے سے شرم آتی ہے[1]۔

۵- دعا کرنے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر مغفرت کی دعا کر رہا ہو تو اپنے گناہوں کا اعتراف کرے، جو شخص انبیائے کرام کے طریقۂ استغفار پر غور کرے گا اس کے سامنے یہ چیز واضح

---

[1] اس حدیث کو ابن ماجہ (۳۸۶۵) اور ابن حبان (۳/۱۶۰۳) نے روایت کیا ہے اور اسے البانی نے صحیح کہا ہے۔

ہو جائے گی، آدم علیہ السلام نے دعا کی: ﴿رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ٢٣﴾ [سورة الأعراف: 23].

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اللہ عزیز و برتر نے مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَذَا ٱلنُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَٰضِبٗا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ فَنَادَىٰ فِي ٱلظُّلُمَٰتِ أَن لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبۡحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ٨٧﴾ [سورة الأنبياء: 87].

ترجمہ: مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو! جب کہ وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں ہو گیا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجئے جسے میں نماز میں پڑھا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو: «اللهم إني ظلمت نفسي ظلما كثيرا ولا يغفر الذنوب إلا أنت، فاغفر لي مغفرة من عندك، وارحمني إنك أنت الغفور الرحيم» اے اللہ! میں نے اپنی جان پر (گناہ کرکے) بہت زیادہ ظلم کیا، گناہوں کو تیرے سوا کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔

مجھے اپنے پاس سے بھرپور مغفرت عطا فرما اور مجھ پر رحم کر کہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا بے شک وشبہ تو ہی ہے[1]۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عمدہ استغفار یہ ہے: «اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت، خلقتني وأنا عبدك، وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت، أبوء لك بنعمتك، وأبوء لك بذنبي، فاغفر لي، فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت، أعوذ بك من شر ما صنعت» (ترجمہ: اے اللہ! تو میرا پالنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد پر قائم ہوں اور تیرے وعدہ پر۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے۔ تیری نعمت کا طالب ہو کر تیری پناہ میں آتا ہوں اور اپنے گناہوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، تو میری مغفرت فرمائیوں کہ تیرے سوا گناہ اور کوئی نہیں معاف کرتا۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنے برے کاموں سے)[2]۔

---

[1] بخاری (۸۳۴) ومسلم (۲۷۰۵)

[2] بخاری (٦٣٠٦)

٦-دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دعا کرنے والا اپنی حالت زار بیان کرے، جیسا کہ زکریا علیہ السلام کے بارے میں سورہ مریم کی ابتدائی آیتوں میں وارد ہوا ہے: ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾﴾ [سورة مريم:4].

ترجمہ: کہا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔

زکریا علیہ السلام نے دعا سے قبل رب کی رحمت اور شفقت حاصل کرنے کے لیے تمہید بیان کی کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے، اور میں لاغر و کمزور ہو چکا ہوں، پھر اس کے بعد ماضی میں جو دعائیں قبول ہوئی تھیں ان کا وسیلہ اختیار کرتے ہوئے کہا: (لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا)۔

موسی علیہ السلام نے جب دو خواتین کے جانوروں کو پانی پلا دیا تو اس کے بعد کہا: ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾﴾ [سورة القصص:24].

ترجمہ: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔

اس دعا کا نتیجہ تھا کہ خیر و بھلائی ان کے پاس خود چل کر آئی، بایں طور کہ ان دو میں سے ایک خاتون ان کے پاس آئیں اور اپنے والد سے ملنے کی پیش کش رکھی، جہاں انہیں تقوی شعار بیوی، نیک و صالح خسر اور ایسا شغل ملا جس نے فقیری سے بے نیاز کر دیا:

﴿فَجَآءَتۡهُ إِحۡدَىٰهُمَا تَمۡشِي عَلَى ٱسۡتِحۡيَآءٖ قَالَتۡ إِنَّ أَبِي يَدۡعُوكَ لِيَجۡزِيَكَ أَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَاۚ﴾ [سورة القصص:25].

ترجمہ: تو ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی، اس نے کہا بے شک میرا والد تجھے بلا رہا ہے، تاکہ تجھے اس کا بدلہ دے جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔

۷- دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دعا سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کرے اور نبی ﷺ پر درود بھیجے، اس کی دلیل بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص ان کلمات کے ساتھ نماز میں دعا کر رہا ہے: «اللهم إني أسألك بأني أشهدك أنك أنت الله لا إله إلا أنت الأحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد» (ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس وسیلے سے کہ میں تجھے اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، تو اکیلا (معبود) ہے تو بے نیاز ہے، (تو کسی کا محتاج نہیں تیرے سب محتاج ہیں)، (تو ایسا بے نیاز ہے) جس نے نہ کسی کو جنا ہے اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے، اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہوا ہے)۔

جب آپ نے یہ سنا تو فرمایا: قسم ہے اس رب کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس نے اللہ سے اس کے اس اسم اعظم (عظیم نام) کے حوالے سے دعا مانگی ہے کہ جب بھی اس کے حوالے سے دعا مانگی جاتی ہے تو وہ دعا قبول فرماتا ہے اور سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے[1]۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، (نماز سے فارغ ہو کر) اس نے دعا مانگی: «اللهم إني أسألك بأن لك الحمد لا إله إلا أنت المنان بديع السموات والأرض يا ذا الجلال والإكرام يا حي يا قيوم» (ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس وسیلے سے کہ: ساری حمد وثنا تیرے لیے ہے، تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں، تو ہی احسان کرنے والا اور آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، اے جلال اور عطا و بخشش والے، اے زندہ جاوید، اے آسمانوں اور زمینوں کو تھامنے والے!)۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ سے اس کے اس اسم اعظم (عظیم نام) کے حوالے سے دعا مانگی ہے کہ جب بھی اس کے حوالے سے دعا مانگی جاتی ہے تو وہ دعا قبول فرماتا ہے اور سوال کیا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے[2]۔

---

[1] اسے ترمذی (۳۴۷۵)، ابن ماجہ (۳۸۵۷)، ابن حبان (۳/۱۷۴) اور احمد نے "مسند": ۵/۳۴۹، ۳۶۰) میں روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

[2] اسے ابوداود (۱۴۹۵)، ترمذی (۳۵۴۴)، نسائی (۱۳۰۰)، ابن ماجہ (۳۸۵۸)، اور احمد (۳/۱۵۸) وغیرہم نے روایت کیا ہے، مذکورہ الفاظ ابوداود کے روایت کردہ ہیں، اسے البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی کام سخت تکلیف و پریشانی میں ڈال دیتا تو آپ یہ دعا پڑھتے: «يا حي يا قيوم برحمتك أستغيث» (یعنی: اے زندہ اور ہمیشہ رہنے والے! تیری رحمت کے وسیلے سے تیری مدد چاہتا ہوں)[1]۔

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا اسم اعظم قرآن کی تین سورتوں میں ہے: بقرۃ، آل عمران اور طہ۔

قاسم (جو کہ ابو امامہ سے اس اثر کو روایت کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ: میں نے ان سورتوں میں تلاش و جستجو کی تو پتہ چلا کہ یہ اسم اعظم "الحی القیوم" ہے[2]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: «لا إله إلا الله العظيم الحليم، لا إله إلا الله رب العرش العظيم، لا إله إلا الله رب السموات ورب الأرض ورب العرش الكريم» (یعنی: کوئی معبود برحق نہیں ہے سوائے اللہ بلند و بردبار کے، اور کوئی معبود برحق نہیں سوائے اس اللہ کے جو عرش عظیم کا

---

[1] اسے ترمذی (۳۵۲۴) نے روایت کیا ہے اور البانی نے حسن کہا ہے۔

[2] اسے حاکم نے "مستدرک": ۱/۵۰۵ میں روایت کیا ہے اور البانی نے "الصحیحۃ": ۷۴۶ میں صحیح کہا ہے، دیکھیں: صحیح الجامع: ۹۸۰

رب (مالک) ہے اور کوئی معبود برحق نہیں ہے سوائے اس اللہ کے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور عرش کریم کا رب ہے)[1]۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جب کوئی تکلیف وپریشانی لاحق ہو تو یہ دعا پڑھوں:" لا إله إلا الله الحليم الكريم، سبحان الله وتبارك الله رب العرش العظيم، والحمد لله رب العالمين"(یعنی: نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ کے جو بردبار اور قابل عزت ہے، پاک ہے اللہ اور بہت بابرکت ہے۔ اللہ جو عرش عظیم کا مالک ہے، اور تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے[2]۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے دوران کی تھی وہ یہ تھی: «لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين» (یعنی: تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو پاک ہے، میں ہی ظالم (خطاکار) ہوں)، کیوں کہ یہ ایسی دعا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان شخص اسے پڑھ کر دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا[3]۔

---

[1] اسے بخاری (٦٣٤٦) اور مسلم (٢٧٣٠) نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے احمد نے "مسند": ١/ ٩١ میں روایت کیا ہے اور مسند کے محققین نے اسے صحیح کہا ہے۔

[3] اسے ترمذی (٣٥٠٥)، اور نسائی نے (الکبری: ١٠٤١٧) میں روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

یہ اور ان جیسی دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دعا کرنے والے کو دعا سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہیے، کیوں کہ یہ اللہ بلند و برتر کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ ہے، نیز یہ دل کی انکساری اور سپردگی کا بھی سبب ہے جس سے دعا قبول ہوتی ہے۔

دعا سے قبل حمد و ثنا بیان کرنے کی سب سے بڑی مثال سورۂ فاتحہ ہے، اس لیے کہ اس کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم حمد و ثنا پر مشتمل ہے اور دوسری قسم دعا سے عبارت ہے، حمد و ثنا یہ ہے:

﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝٢ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ۝٣ مَٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ۝٤﴾

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے۔

دوسری قسم دعا و مناجات سے عبارت ہے جو کہ سورہ کا بقیہ حصہ ہے: ﴿ٱهْدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلْمُسْتَقِيمَ ۝٦ صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ ۝٧﴾

ترجمہ: ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا، ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا (یعنی جنھوں نے حق کو پہچانا مگر اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے)، اور نہ گمراہوں کی (یعنی وہ لوگ جو جہالت کے سبب راہ حق سے برگشتہ ہو گئے)۔

میرا کہنا ہے: اللہ کی ربوبیت کا ذکر کر کے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنا عظیم ترین حمد و ثنا میں سے ہے، بایں طور کہ دعا گو کہے: اے رب! میں تجھ سے فلاں اور فلاں چیز کا طلب گار

ہوں۔ قرآن کی بہت سی دعائیں اللہ کی ربوبیت سے شروع ہوتی ہیں، جیسے اللہ تعالی کا یہ فرمان:﴿رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةٗ وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةٗ وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ٢٠١﴾

[سورة البقرة:201].

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔

نیز یہ فرمان:﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ إِن نَّسِينَآ أَوۡ أَخۡطَأۡنَاۚ﴾ [سورة البقرة:286].

ترجمہ: اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا۔

نیز یہ فرمان الہی: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوبَنَا بَعۡدَ إِذۡ هَدَيۡتَنَا﴾ [سورة آل عمران:8].

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، اس کے بعد کہ تونے ہمیں ہدایت دی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز کی حالت میں اللہ کی بزرگی اور حمد بیان کرتے، اور نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ و سلام (درود) بھیجتے سنا تو فرمایا: آپ دعا کریں آپ کی دعا قبول کی جائے گی، اور مانگیں آپ کو دیا جائے گا[1]۔

---

[1] اسے ابوداود (۱۳۳۱)، ترمذی (۳۴۷۶) اور نسائی (۱۲۸۳) نے روایت کیا ہے، ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ (آپ ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے اندر دعا کرتے ہوئے سنا، اس نے نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ (درود) نہ بھیجا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس نے جلدی کی، پھر) آپ نے اسے بلایا، اور اسے اور اس کے علاوہ دوسروں کو خطاب کر کے فرمایا: جب تم میں سے کوئی بھی نماز پڑھ چکے (یعنی: پوری نماز سے فارغ ہو کر صرف سلام کرنا باقی رہ جائے) تو اسے چاہیئے کہ وہ پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے، پھر نبی ﷺ پر صلاۃ (درود) بھیجے، پھر اس کے بعد وہ جو چاہے دعا کرے[1]۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: دعا آسمان اور زمین کے درمیان رکی رہتی ہے، اس میں سے ذرا سی بھی اوپر نہیں جاتی جب تک کہ تم اپنے نبی کریم ﷺ پر صلاۃ (درود) نہیں بھیج لیتے[2]۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے موقوفا روایت ہے کہ: ہر دعا اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک کہ محمد اور آل محمد ﷺ پر درود نہ بھیجی جائے[3]۔

---

[1] اسے ترمذی (۳۴۷۷)، ابن خزیمۃ (۱/۳۵۱)، بیہقی (۲/۱۴۸) نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[2] اسے ترمذی (۴۸۶) نے روایت کیا ہے اور البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

[3] اسے طبرانی نے "الأوسط": ۷۲۵ میں روایت کیا ہے اور البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیں: السلسلۃ الصحیحۃ": ۲۰۳۵

٨-دعا کی قبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ قبولیت کے لیے جلدی نہ کرے، اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ جلدی نہ کرے۔ یوں کہے کہ: میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول نہ کی[1]۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ: ہمیشہ بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ گناہ یا رشتہ توڑنے کی دعا نہ کرے اور جلدی نہ کرے۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! جلدی کے کیا معنی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہے کہ میں نے دعا پر دعا کی، میں نہیں سمجھتا کہ وہ قبول ہوگی۔ پھر ناامید ہو جائے اور دعا چھوڑ دے۔ (یہ مالک کو ناگوار ہوتا ہے پھر وہ قبول نہیں کرتا، بندے کو چاہیے کہ اپنے مالک سے ہمیشہ فضل و کرم کی امید رکھے۔ اگر دنیا میں دعا نہ قبول ہوگی تو آخرت میں اس کا صلہ ملے گا)[2]۔

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ہر وہ مسلمان جو کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں کسی گناہ اور رشتہ دار کی حق تلفی کی بات نہ ہو، تو اس کے بدلے اللہ تین میں سے کوئی ایک چیز عطا کرتا ہے: یا تو

میرا کہنا ہے: اس طرح کا اثر مرفوع حدیث کا حکم رکھتا ہے کیوں کہ محض اجتہاد و رائے کی بنیاد پر ایسا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

[1] اسے بخاری (٦٣٤٠) اور مسلم (٢٧٣٥) نے روایت کیا ہے۔

[2] صحیح مسلم: ٢٧٣٥

دنیا میں اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے، یا آخرت کے لیے اس کا بدلہ ذخیرہ کیا جاتا ہے، یا اس کے ہم مثل کوئی برائی اس سے دور کر دی جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: تب تو ہمیں بکثرت دعا کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سب سے زیادہ نوازنے والا ہے[1]۔

بسا اوقات دعا کی قبولیت میں تاخیر کسی ایسی حکمت کی وجہ سے ہوتی ہے جو اللہ عزوجل ہی جانتا ہے، انسان تو مال اور مالداری کو پسند کرتا ہے، اگر اللہ تمام لوگوں کی دعا قبول کرتے ہوئے انہیں دولت سے مالا مال کر دے تو شاید وہ سرکشی اور فساد انگیزی پر اتر آئیں، اللہ نے سچ فرمایا: ﴿ وَلَوْ بَسَطَ ٱللَّهُ ٱلرِّزْقَ لِعِبَادِهِۦ لَبَغَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَـٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۚ إِنَّهُۥ بِعِبَادِهِۦ خَبِيرٌۢ بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾ ﴾ [سورة الشورى:27].

ترجمہ: گر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔

---

[1] اسے احمد (۱۸/۳)، اور بخاری نے: الأدب المفرد (۷۱۰) میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے، دیکھیں: کتاب الادب المفرد، ناشر: مكتبۃ المعارف-ریاض، "مسند احمد": ۱۷/ ۲۱۴ کے محققین نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

۹- دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جامع دعاؤں کا انتخاب کرے اور تفصیلات سے گریز کرے، عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے اور جو دعا جامع نہ ہوتی اسے چھوڑ دیتے[1]۔

اس کی مثال فروۃ بن نوفل اشجعی کی یہ حدیث ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا مانگتے تھے؟ وہ بولیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے: «أعوذ بك من شر ما عملت ومن شر ما لم أعمل» (یعنی: میں اس عمل کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو میں نے کیا ہے اور جو نہیں کیا ہے)[2]۔

ابو موسی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: «رب اغفر لي خطيئتي وجهلي وإسرافي في أمري كله، وما أنت أعلم به مني، اللهم اغفر لي خطاياى وعمدي وجهلي وهزلي، وكل ذلك عندي، اللهم اغفر لي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت، أنت المقدم، وأنت المؤخر، وأنت على كل شيء قدير» (یعنی: میرے رب! میری خطا، میری نادانی اور تمام معاملات میں میرے حد سے تجاوز کرنے میں میری مغفرت فرما اور وہ گناہ بھی جن کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اے اللہ! میری مغفرت کر، میری خطاؤں میں، میرے بالارادہ اور بلا ارادہ کاموں میں اور میرے ہنسی مزاح کے کاموں میں اور یہ سب میری ہی طرف سے ہیں۔ اے اللہ! میری

---

[1] اسے ابو داود (۱۴۸۲) اور ابن ابی شیبۃ (۲۹۱۵۶) نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

[2] اسے مسلم نے روایت کیا ہے (۲۷۱۶)

مغفرت کر ان کاموں میں جو میں کر چکا ہوں اور انہیں جو کروں گا اور جنہیں میں نے چھپایا اور جنہیں میں نے ظاہر کیا ہے، تو سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب سے بعد میں ہے اور تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے[1]۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ﴿رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ﴾ (ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے)[2]۔

عماد الدین ابن کثیر[3] رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

دنیا کی بھلائی میں ہر قسم کی دنیاوی نعمت ونوازش شامل ہے، جیسے صحت وعافیت، وسیع محل، حسین بیوی، کشادہ رزق، نفع بخش علم، عمل صالح، آرام دہ سواری، ذکر جمیل اور دیگر وہ تمام

---

[1] اسے بخاری (۶۳۹۸) اور مسلم (۲۷۱۶) نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے بخاری (۶۳۸۹) ومسلم (۲۶۹۰) نے روایت کیا ہے۔

[3] آپ عماد الدین، اسماعیل بن عمر بن کثیر، بُصروی الاصل، دمشقی اور شافعی ہیں، ان کی ولادت آٹھویں صدی کی ابتدا میں ہوئی، شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، فقہ وتفسیر اور نحو وتاریخ میں مہارت حاصل کی، ان کی بہت سی مفید تالیفات ہیں، سب سے مشہور تالیف "تفسیر القرآن العظیم" اور تاریخ میں "البدایۃ والنہایۃ" ہیں، آپ کی وفات سنہ ۷۷۴ ھ میں ہوئی۔ ان کی سوانح کے لیے رجوع کریں: الدرر الکامنۃ لابن حجر، شذرات الذہب لابن العماد، البدر الطالع للشوکانی رحمہم اللہ۔

معانی جو مفسرین کی عبارتوں میں ذکر کئے گئے ہیں، ان کے درمیان کسی طرح کا تعارض نہیں ہے، کیوں کہ تمام معانی دنیا کی بھلائی میں داخل ہیں۔

رہی بات آخرت کی بھلائی کی تو اس کی اعلی ترین قسم ہے جنت کا دخول اور اس کے متعلقات، جیسے عرصہ [1] قیامت (میدانِ محشر) کی ہولناکی اور گھبراہٹ (فزع اکبر) سے حفاظت، حساب کتاب میں آسانی اور ان جیسے آخرت کے دیگر اچھے معاملات۔

جہاں تک جہنم سے رہائی کی بات ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دنیا میں اس کے اسباب آسان کردئے جائیں، جیسے معاصی اور محرمات سے اجتناب اور شبہات اور حرام کردہ اشیاء سے دوری [2]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب وسنت میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ جامع ترین دعائیں ہیں جو غلطیوں سے پاک اور بابرکت ہیں، ان کا التزام کرنا (ان دعاؤں) سے بدرجہا بہتر ہے جو بے معنی کلام، پر تکلف قافیہ بندی، تفصیلی اوصاف، لمبی اور پیچیدہ گفتگو (پر مبنی ہوں)۔

---

[1] عرصہ کی جمع عرصات آتی ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں: ایسی کشادہ جگہ جہاں کوئی عمارت نہ ہو۔ دیکھیں: "النہایۃ"۔

[2] تفسیر سورۃ البقرۃ: آیت ۲۰۱

اس کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے: ابو نعامہ روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہتے سنا: اے اللہ! میں جب جنت میں داخل ہوں تو مجھے جنت کے دائیں طرف کا سفید محل عطا فرما، آپ نے کہا: میرے بیٹے! تم اللہ سے جنت طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: اس امت میں عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے[1]۔

ابو نعامہ ہی کی روایت ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے نے کہا: میرے والد نے مجھے کہتے سنا: اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور اس کی نعمتوں، لذتوں اور فلاں فلاں چیزوں کا سوال کرتا ہوں اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم سے، اس کی زنجیروں سے، اس کے طوقوں سے اور فلاں فلاں بلاؤں سے، تو انہوں نے مجھ سے کہا: میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: عنقریب کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دعاؤں میں مبالغہ اور حد سے تجاوز کریں گے، لہٰذا تم بچو کہ کہیں تم بھی ان میں سے نہ ہو جاؤ۔ جب تمہیں جنت ملے گی تو اس کی ساری نعمتیں خود ہی مل جائیں گی اور اگر تم جہنم سے بچا لیے گئے تو اس کی تمام بلاؤں سے خود بخود بچا لیے جاؤ گے[2]۔

---

[1] اسے ابو داود (۹۶)، ابن ماجہ (۳۸۶۴) اور ابن حبان (۱۵/ ۱۶۶) نے روایت کیا ہے اور البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

[2] اس حدیث کو ابو داود (۱۴۸۰) نے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ: دعا میں قافیہ بندی سے پرہیز کرتے رہنا، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے[1]۔ یعنی وہ اس سے بچتے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکرواذکار اور دعاومناجات افضل ترین عبادتوں میں سے ہیں، اور عبادت اسی وقت (قابل قبول) ہوتی ہے جب وہ شریعت میں ثابت ہو اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اسے انجام دیا جائے، نہ کہ خواہش نفس کے مطابق جس عمل کو چاہا دین میں عبادت کا درجہ دے دیا، دعاواذکار کا اہتمام کرنے والے کے لیے سب سے افضل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اذکارو ادعیہ کو اختیار کرے، ان دعاؤں کو لازم پکڑنے والا امن وسلامتی کی راہ پر گامزن رہتا ہے، ان سے جو فوائد اور نیتجے حاصل ہوتے ہیں انہیں نہ تو زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی انسان ان کا احاطہ کر سکتا ہے، ان کے علاوہ ذکر و دعا (کی جو بھی قسم ہے) وہ حرام بھی ہو سکتی ہے اور مکروہ بھی، بلکہ اس کے اندر شرک کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے جس سے بیشتر لوگ غافل ہوتے ہیں، یہ ایسا موضوع ہے جس کی تفصیل میں جانا باعث طوالت ہو گا۔

---

[1] اسے بخاری نے روایت کیا ہے (٦٣٣٧)

کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ لوگوں کے لیے خاص قسم کی کوئی ایسی دعا متعین کرے جو سنت سے ثابت نہیں ہے، اور اسے روزانہ کی عبادت بنادے جس پر لوگ پنج وقتہ نمازوں کی طرح پابندی سے عمل کریں، بلکہ یہ دین میں بدعت ایجاد کرنا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، تاہم اگر انسان کبھی کبھار کوئی ایسی دعا کرے جسے لوگوں کے لیے سنت نہ بنائے، تو اس دعا کے بارے میں جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اندر کوئی حرام معنی داخل ہیں تب تک اس کی حرمت کا حتمی حکم نہیں دیا جاسکتا، لیکن ہو سکتا ہے کہ اس میں ایسے معنی پائے جاتے ہوں اور انسان کو احساس نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ ضرورت کے وقت انسان کے ذہن و دل میں دعا آتی ہے، وہ دعا کرتا ہے، یہ اور اس جیسی دیگر دعاؤں کا حکم تقریبا یکساں ہے۔ البتہ غیر مشروع ورد کو اپنانا اور اسے سنت کا درجہ دینا ممنوع ہے، اس تفصیل کے بعد اہم بات یہ ہے کہ شرعی اذکار و ادعیہ کے اندر تمام قسم کے درست معانی، اور ہر طرح کے بلند و بالا مقاصد مذکور ہیں، ان کو چھوڑ کر ایجاد کردہ نئی دعاؤں کا سہارا وہی شخص لیتا ہے جو جاہل ہو یا غلو اور زیادتی سے کام لینے والا ہو[1]۔

۱۰- دعا کی قبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ دل جمعی اور یقین کامل کے ساتھ دعا کرے، لاپروائی اور تذبذب کے ساتھ نہیں، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

---

[1] مجموع الفتاوی: ۲۲/ ۵۱۰-۵۱۱

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اللہ سے قطعی طور پر مانگے اور یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما۔ کیوں کہ اللہ پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں ہے[1]۔

اس مسئلہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے[2]۔

دعامیں تذبذب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بندہ دعا کی قبولیت سے بے نیاز ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے، یہ واجب ہے کہ انسان یقین کے ساتھ دعا کرے اور تذبذب سے دور رہے۔

۱۱-قبولیتِ دعا کا ایک سبب یہ ہے کہ تین بار دعا کو دہرائے، اس کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ: آپ ﷺ جب دعا کرتے تو تین بار کرتے اور جب اللہ سے کچھ مانگتے تو تین بار مانگتے[3]۔

(1) اسے بخاری (۶۳۳۸) اور مسلم (۲۶۷۸) نے روایت کیا ہے۔

فائدہ: نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں: علماء کہتے ہیں: اس دعا کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ مشیت کا استعمال اسی پر نافذ ہوتا ہے جس پر زور زبردستی کی جاسکتی ہو، جب کہ اللہ تعالی اس سے پاک ہے، اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

(2) دیکھیں: صحیح بخاری: (۶۳۳۹) اور صحیح مسلم: (۲۶۷۹)

(3) صحیح مسلم (۱۷۹۴)

نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کو تین بار دہرانا مستحب ہے۔

۱۲- دعا کی قبولیت کا ایک سبب یہ ہے کہ ہر حال میں دعا کی پابندی کرے، خواہ خوش حالی ہو یا تنگ حالی، اس سے غافل نہ ہو، کیوں کہ خوش حالی میں دعا کو لازم پکڑنا تنگ حالی کے وقت دعا قبول ہونے کا سبب ہے، ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: جسے اچھا لگے (اور پسند آئے) کہ مصائب و مشکلات (اور تکلیف دہ حالات) میں اللہ اس کی دعائیں قبول کرے، تو اسے کشادگی و فراخی کی حالت میں کثرت سے دعائیں مانگتے رہنا چاہیئے[1]۔

۱۳- قبولیتِ دعا کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان کی غذا حلال اور پاکیزہ ہو، اس کی دلیل ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اللہ پاک ہے اور حلال و پاک چیز کو ہی پسند کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو انہیں چیزوں کا حکم دیا ہے جن چیزوں کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعۡمَلُواْ صَٰلِحًاۖ إِنِّي بِمَا تَعۡمَلُونَ عَلِيمٞ ۝٥١﴾ [سورة المؤمنون:51]. (ترجمہ: اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں) اور اللہ نے یہ بھی فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ﴾ [سورة البقرة:172]. (ترجمہ:

---

[1] اسے ترمذی (۳۳۸۲) نے روایت کیا ہے اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، پیو) پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، پریشان حال اور غبار آلود ہے۔ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعائیں مانگتا ہے (اے پروردگار! اے پروردگار!) اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا پہننا حرام کا ہے اور اس کی پرورش ہی حرام سے ہوئی ہے۔ پھر اس کی دعا کیوں کر قبول ہوگی[1]۔

---

[1] مسلم (۱۰۱۵)

قبولیت دعا کے اسباب سے متعلق ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ سنجی

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الداءوالدواء" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

یہاں یہ بات قابل فہم ہے کہ ایسے اذکار، آیات، دعائیں جن سے شفا مطلوب ہو، یقیناً نافع اور شفا بخش ہوتی ہیں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ محل اس کی قبولیت کی صلاحیت رکھتا ہو، اور فاعل وعامل کی قوت وہمت اور اس کی تاثیر بھی قبولیت محل کی مقتضی ہو۔ اذکار، آیات اور دعائیں اگر مؤثر نہ ہوں، اور شفا نہ ملے تو سمجھ لینا چاہیے کہ پڑھنے اور دعا کرنے والے کی تاثیر وتوجہ کمزور ہے، اثر قبول کرنے والے میں قبول تاثیر کی صلاحیت نہیں ہے، یا کوئی ایسی شدید اور سخت رکاوٹ موجود ہے جو دوا کی تاثیر کو روک رہی ہے، جس طرح کہ عموماً ظاہری اور حسی امراض میں دواؤں کا حال ہوا کرتا ہے، اور کبھی ایسا اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ دوا کے اقتضاء اور تاثیر کے درمیان کوئی رکاوٹ مزاحم ہو جاتی ہے۔ طبیعت جب کسی دوا کو کامل طور پر قبول کر لیتی ہے تو جس درجہ طبیعت دوا کو قبول کرے گی، اسی درجہ بدن اور جسم کو نفع پہنچے گا۔ اسی طرح آدمی کا قلب کسی دعا اور تعویذ کو قبول کر لیتا اور دعا پڑھنے والے کے اندر ازالہ مرض کے لیے نفس فعالہ اور ہمت مؤثرہ ہوتی ہے تو یہ دعا مکروہ وناگوار امر کی مدافعت اور حصول مطلوب ومقصود کا ایک قوی ترین سبب بن جاتی ہے، لیکن بسا اوقات دعا اور دم کی تاثیر اس لیے نہیں ہوتی کہ کسی ایسی چیز کی دعا کی جائے جو اللہ تعالی کو پسند نہیں ہے اور اس میں کسی پر ظلم ہو رہا ہے، یا اس لیے اثر نہیں ہوتا کہ دعا کے وقت قلب

پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور کامل طور پر جمعیت خاطر نہیں پائی جاتی، اس لیے اس کا حال ایک ڈھیلی کمان کا سا ہوتا ہے اور ڈھیلی کمان سے پھینکے جانے والے تیر کی رفتار سست ہی ہوتی ہے، نیز اس لیے بھی تاثیر نہیں ہوتی کہ اجابتِ دعا میں کوئی اور چیز رکاوٹ پیدا کر رہی ہے، مثلاً حرام غذا کھائی جاتی ہے، یا کسی پر ظلم کیا جارہا ہے، یا دلوں پر گناہوں کا میل چڑھا ہوا ہے اور قلوب پر غفلت، شہوت یا لہو ولعب کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بارگاہِ الٰہی میں اس طرح دعا کرو کہ تمہارے اندر اجابت دعا کا پورا پورا یقین موجود ہو۔ خوب سمجھ لو کہ غافل وبے خبر قلب کی دعا اللہ قبول نہیں کرتا"[1]۔

دعا ایک ایسی پر تاثیر دوا ہے جو یقیناً نفع دیتی ہے اور مرض کو دفع کرتی ہے، مگر جب قلب غافل اور اللہ تعالی کی جانب سے بے خبر ہو تو دعا کی قوت بے کار ہو جاتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے لوگو! اللہ تعالی پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالی ایمان والوں کو اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس کا حکم اس نے انبیائے کرام کو دیا ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ

---

[1] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

عَلِيمٌ﴾ اور پھر یہ آیت پڑھی: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ وَٱشۡكُرُواْ لِلَّهِ إِن كُنتُمۡ إِيَّاهُ تَعۡبُدُونَ﴾ پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی طویل سفر کرتا ہے اور وہ اس حال میں ہے کہ خستہ حال اور گردو غبار سے اٹا ہوا ہے۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ سے مانگتا ہے۔ اے پروردگار! اے پروردگار! اور حال یہ ہے کہ اس کی غذا حرام ہے، پینا حرام ہے، اس کے کپڑے حرام ہیں، حرام غذا کھائی ہے، اس کی دعا کس طرح قبول ہوگی؟"[1]۔

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۱ پر مزید لکھتے ہیں:

"دعا اور تعوذات (اللہ سے پناہ مانگنا) اسلحے کی مانند ہیں، اور اسلحہ بھی صرف تیز دھار نہیں، بلکہ مع سپاہی۔ خنجر اور تلوار تیز دھار ہوں اور ان میں کوئی نقص نہ ہو، نیز بازو بھی قوی اور مضبوط ہوں اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تو اس سے دشمن کا کام ضرور تمام ہوگا۔ ان تین باتوں میں سے اگر کوئی ایک بات بھی مفقود ہوگی تو ہتھیار یقیناً ناکام ہوگا۔ ہتھیار کی عمدگی اور تیزی کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ دعا فی نفسہ اچھی نہیں ہو، یا دعا کرنے والے کا دل اور زبان ایک نہ ہوں، یا اجابت دعا میں کوئی دوسری چیز مانع ہو تو یقیناً دعا کا اثر نہ ہوگا"۔

نیز صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں:

---

[1] اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

"کسی مقصد کے لیے جب دعا کے ساتھ حضور قلب اور جمعیت خاطر ہو اور اجابت دعا کے چھ خاص اوقات میں سے کوئی وقت بھی پایا جائے تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے، اور وہ چھ اوقات یہ ہیں: رات کا آخری تہائی حصہ، اذان کے وقت، اذان و اقامت کے درمیان کا وقت، فرض نماز کے بعد، جمعہ کے دن جب امام منبر پر چڑھے تا آں کہ نماز جمعہ ختم ہو جائے، جمعہ ہی کے دن نمازِ عصر کے بعد کی آخری ساعت۔ ان اوقات کے ساتھ ساتھ قلبی خضوع و خشوع ضروری ہے اور بار گاہ رب العالمین میں عجز وانکساری، ذلت وخاکساری، تضرع والحاح اور رقت قلب بھی، اور دعا کرنے والے کا رخ قبلے کی طرف، کامل طہارت کے ساتھ ہو، اپنے دونوں ہاتھ بار گاہ الٰہی میں اٹھائے اور سب سے پہلے اللہ تعالی کی حمد و ثنا بجالائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں، درود شریف بھیجے اور اپنی حاجت پیش کرنے سے قبل توبہ واستغفار کرے۔ پھر پوری ہمت اور توجہ کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو اور نہایت الحاح وزاری، تملق[1] وخاکساری کے ساتھ بار گاہِ الٰہی میں اپنا سوال پیش کرے اور ترغیب وترہیب، امید وخوف کے ساتھ اس کی جناب میں دعا کرے اور اللہ تعالی کے اسمائے حسنیٰ' اس کی مقدس صفات اور اس کی توحید کا وسیلہ پکڑے۔ دعا سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کرے تو امید ہے کہ یہ دعا مسترد نہ ہوگی، خصوصا جب کہ وہ دعائیں پڑھی

---

[1] یعنی بار گاہ الٰہی میں لطف ومحبت کا اظہار کرے، دیکھیں: "الصحاح فی اللغۃ" للجوہری، مادہ: ملق۔

جائیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان کے قبول ہونے کی امید کی جاسکتی ہے، یا وہ دعائیں پڑھی جائیں جن میں اسمِ اعظم موجود ہے"[1]۔

---

[1] ابن قیم کے مذکورہ کلام کا ترجمہ الداء والدواء کے اردو ترجمہ بعنوان: "دوائے شافی" سے نقل گیا ہے۔

شبہات اور ان کے جوابات

کچھ لوگ چند احادیث کی بنیاد پر اس گمان میں مبتلا ہوگئے کہ ان سے قبروں کے پاس دعا کرنے کی فضلیت ثابت ہوتی ہے، جب کہ حقیقت میں یہ حدیثیں ضعیف ہیں، ان سے دلیل پکڑنا درست نہیں، ان میں سب سے مشہور یہ چار احادیث ہیں:

پہلی حدیث: جو لوگ قبر نبی ﷺ کے پاس دعا کرنے کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ دلیل کے طور پر بیہقی کی اس روایت کو پیش کرتے ہیں جسے انہوں نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے، کہتے ہیں:

ہم کو ابو سعید بن ابو عمرو نے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں ابو عبد اللہ الصفار نے یہ حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو بکر بن ابو الدنیا نے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم کو سعید بن ابو عثمان نے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں ابن ابی فدیک نے یہ حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے اپنے ایک معاصر کو یہ کہتے سنا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کی قبر کے پاس کھڑا ہو کر اس آیت کی تلاوت کرے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ صَلُّواْ عَلَيۡهِ وَسَلِّمُواْ تَسۡلِيمًا﴾ اور: "اے محمد اللہ آپ پر درود (رحمت) بھیجے" کا ورد ستر دفعہ کرے تو فرشتے اسے جواب

دیتے ہیں کہ: اے فلاں! تجھ پر اللہ کی رحمت و نوازش ہو، تیرا کوئی سوال مسترد نہیں ہو گا[1]۔

اس حدیث کو ابو عبد اللہ النجار نے اپنی کتاب "آخبار المدینہ" میں ابن ابی الدنیا کے طریق سے روایت کیا ہے[2]۔

جواب: یہ اثر ضعیف جدا (بہت ہی کمزور) ہے، اس کا قائل غیر معروف ہے، ابن ابی فدیک نے جس سے روایت کیا ہے وہ مجہول ہے، کہتے ہیں کہ: اپنے ایک معاصر (کو کہتے سنا)!

نیز یہ کہ اس مجہول شخص نے کہا کہ: (ہمیں یہ خبر پہنچی ہے)، چنانچہ روایت کرنے والا بھی مجہول اور جس سے روایت کی جارہی ہے وہ بھی مجہول، اس بنیاد پر یہ حدیث معضل ہے (جس میں دو راوی پے درپے ساقط ہیں)۔

اس پر مستزاد یہ کہ متنِ حدیث بھی منکَر ہے، کیوں کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص میرے اوپر ایک بار صلاۃ (درود ورحمت) بھیجے گا، تو اللہ اس پر دس بار صلاۃ (درود ورحمت) بھیجے گا"۔ جب کہ مذکورہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ جو شخص نبی ﷺ پر ستر

---

[1] شعب الایمان: ۳/ ۴۹۲، حدیث نمبر: ۴۱۶۸

[2] الدرۃ الثمینۃ فی آخبار المدینۃ: ۲۹۴

دفعہ صلاۃ (درود ورحمت) بھیجے گا، اس پر فرشتے ایک دفعہ صلاۃ (درود ورحمت) بھیجیں گے! [1]۔

دوسری حدیث: محمد بن الحسن بن زبالۃ اپنی کتاب "اخبار المدینۃ"[2] میں لکھتے ہیں: میں نے محمد بن کیسان نامی مدینہ کے ایک باشندے کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھنے کے بعد جب ہم ربیعہ بن ابو عبد الرحمن[3] کے حلقہ علم میں بیٹھے ہوتے، تو وہ مسجد میں آتا، قبر کے پاس کھڑے ہو کر نبی ﷺ پر درود پڑھتا اور شام ہونے تک دعا کرتے رہتا، ربیعہ کے ہم نشینوں نے کہا کہ: اسے دیکھیں کیا کر رہا ہے؟ اس پر ربیعہ نے کہا: اسے اپنا کام کرنے دو، کیوں کہ انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی اجر ملتا ہے۔

---

[1] اس حدیث کی علتیں میں نے "اقتضاء الصراط المستقیم": ۲/ ۷۳۰ سے نقل کی ہے۔

[2] میں نے یہ اثر ابن تیمیہ کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم": ۲/ ۷۳۱ سے نقل کیا ہے، کیوں کہ "اخبار المدینۃ" ایک مفقود کتاب ہے، جیسا کہ اسکالر صلاح بن عبد العزیز بن سلامۃ نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے، مقالہ کا عنوان ہے: "اخبار المدینۃ"، اسے مرکز بحوث ودراسات المدینۃ نے نشر کیا ہے، اس کے اندر موصوف اسکالر نے ان کتابوں سے ابن زبالۃ کے اقوال جمع کئے ہیں جن میں ان کی کتاب سے نقل واستفادہ کیا گیا ہے، جیسے علی بن عبد اللہ السمہودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی"۔

[3] آپ ربیعہ بن ابو عبد الرحمن فروخ، مشہور فقیہ ابو عثمان مدنی ہیں، جو مدینہ کے عالم تھے، انہیں ربیعۃ الرای کہا جاتا ہے، انہوں نے انس اور ابن المسیب سے اخذ واستفادہ کیا، ان کا حلقہ فتوی ہوا کرتا تھا، ان سے مالک نے اخذ واستفادہ کیا ، ان کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔ ان کی سوانح کے لیے رجوع کریں: تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔

جواب: اس قصہ کی سند ضعیف جدا (بہت کمزور) ہے، کیوں کہ اس کا راوی- حسن بن محمد بن زبالۃ- کذاب ہے، یہ ابوداود کا قول ہے۔

نسائی نے اسے: متروک کہا ہے۔

ابو حاتم کہتے ہیں کہ: وہ واہی الحدیث (نہایت ضعیف راوی) ہے۔

دار قطنی نے کہا کہ وہ: منکر الحدیث ہے[1]۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ: وہ پورے طور پر ناقابل احتجاج ہے، یحیی بن معین نے کہا کہ: وہ ثقہ نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس کے ناقابل اعتبار ہونے پر سبھوں کا اتفاق ہے[2]۔

ان اقوال کی بناپر مذکورہ قصہ سے استدلال کرنا درست نہیں، اور ربیعہ اس قصہ سے بَری ہیں کیوں کہ اس کا راوی ہی کذاب ہے۔

تیسرا اثر: ابن زبالۃ "اخبار المدینۃ" میں لکھتے ہیں: مجھ سے عمر بن ہارون نے بیان کیا، ان سے سلمۃ بن وردان نے بیان کیا کہ انہوں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ نبی ﷺ پر سلام پیش کرنے کے بعد اپنی پشت قبر کی طرف کر کے (یعنی قبلہ رخ ہو کر) دعا کرنے لگے۔

---

[1] میزان الاعتدال: ۶/ ۱۰۸

[2] المحلی: ۵/ ۳۳۲-۳۳۴

جواب: یہ اثر بھی ضعیف جدا (بہت کمزور) ہے، کیوں کہ ابن زبالۃ کا نام محمد بن حسن بن زبالۃ ہے، جو کہ کذاب راوی ہے، اور عمر بن ہارون متروک راوی ہے جس پر جھوٹ کی تہمت ہے[1]، نیز سلمہ بن وردان بھی ضعیف الحدیث راوی ہے[2]۔[3]

چوتھا اثر: قبروں کے پاس دعا کرنے کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے لوگوں نے جن دلائل کا سہارا لیا ان میں بعض ائمہ عظام کی طرف منسوب من گھڑت کہانیاں بھی ہیں، جنہیں ان لوگوں نے قابلِ اتباع شریعت کا درجہ دے رکھا ہے! ان میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب یہ حکایت بھی ہے کہ وہ ابو حنیفہ کی قبر کے پاس جاکر دعا کرتے تھے، اس حکایت کو خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں روایت کیا ہے، کہتے ہیں:

ہمیں قاضی ابو عبد اللہ حسین بن علی بن محمد الصیمری نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں عمر بن ابراہیم المقرئ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مکرم بن احمد نے بیان کیا، ان سے عمر بن اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے علی بن میمون نے بیان کیا کہ میں نے شافعی کو کہتے ہوئے سنا: میں ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، ہر روز ان کی قبر کی زیارت

---

[1] دیکھیں: تقریب التہذیب

[2] دیکھیں: تقریب التہذیب

[3] ملاحظہ کریں ابن تیمیہ کا قول: اقتضاء الصراط المستقیم": ۲/ ۳۳۲

کرتا ہوں، اگر کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر پر جاتا ہوں اور وہاں اللہ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں ، اس کے بعد فوراہی میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے[1]۔

جواب: اس قصہ کو شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنا چھ اسباب کی وجہ سے غلط اور بے بنیاد ہے:

پہلی وجہ: قصہ کی سند ضعیف ہے، علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں:

یہ ایک ضعیف بلکہ باطل وبے بنیاد روایت ہے، کیوں کہ عمر بن اسحاق بن ابراہیم نامعروف شخص ہے، کتبِ رجال میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا، ممکن ہے کہ وہ عمرو- عین کے فتحہ کے ساتھ- بن اسحاق بن ابراہیم بن حمید بن السکن ابو محمد التونسی ہوں، جن کی سوانح خطیب نے (تاریخ بغداد: ۲/ ۲۲۶ میں) ذکر کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ وہ بخارا کے رہنے والے تھے، سفر حج کے دوران سنہ ۳۴۱ھ میں بغداد بھی آئے تھے، خطیب نے ان کے سلسلے میں کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی ہے، چنانچہ وہ مجہول الحال ہیں، تاہم یہ بعید از قیاس لگتا ہے کہ سند میں وارد عمر سے مراد یہ عمرو ہوں، اس لیے کہ ان کے شیخ علی بن میمون کی وفات اکثر اقوال کے مطابق سنہ ۲۴۷ھ میں ہوئی، اس بنا پر ان دونوں کی وفات کے درمیان سو سال کا

---

[1] تاریخ بغداد: ۱/ ۴۵۵، تحقیق: بشار عواد، طباعت: دار الغرب الاسلامی- بیروت

فاصلہ ہے، بنابریں یہ محال معلوم ہوتا ہے کہ عمرو نے علی کا زمانہ پایا ہو۔ بہر صورت یہ ایک ضعیف روایت ہے جس کی صحت کی کوئی دلیل نہیں[1]۔

دوسری وجہ: وقوع قصہ کا ناممکن ہونا، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ ایک ناممکن امر ہے کہ امت کسی ایسے عمل کے قابل تحسین ہونے پر متفق ہو کہ اگر وہ قابل تحسین ہوتا تو سلف نے اس پر ضرور عمل کیا ہوتا، جب کہ اس پر ان کا عمل ثابت نہیں ہے، کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو اجماعی مسائل میں اختلاف و تعارض لازم آئے گا، جب کہ اجماعی مسائل کے درمیان کوئی تعارض نہیں پایا جاتا، اگر امت کے متاخرین طبقہ کا اجماعی مسائل میں اختلاف ہو جائے تو ان کے درمیان حدِ فاصل کتاب و سنت اور اجماعِ سلف ہے، خواہ منصوص ہو یا مستنبط، یہ اختلاف بھلا کیوں کر واقع ہو سکتا ہے جب کہ -الحمد للہ- کسی معروف امام اور قابلِ اتباع عالم سے ایسا منقول نہیں، بلکہ اس سلسلے میں جو بھی روایت نقل کی جاتی ہے وہ من گھڑت اور جھوٹ ہے، جیسا کہ کچھ لوگ امام شافعی کے بارے میں یہ قصہ نقل کرتے ہیں: اس کے بعد مذکورہ قصہ ذکر فرمایا[2]۔

---

[1] "السلسلۃ الضعیفۃ": ۱/ ۷۸ مع اختصار

علامہ البانی نے اسی جگہ کوثری پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے: کوثری کا یہ کہنا کہ: (امام شافعی کا ابو حنیفہ کو وسیلہ بنانے کا ذکر "تاریخ بغداد" میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے) ان کی مبالغہ آمیزی اور غلط بیانی ہے۔

[2] مجموع الفتاوی: ۲/ ۶۹۲، معمولی تصرف کے ساتھ

تیسری وجہ: ابن تیمیہ مزید رقم طراز ہیں: جب شافعی بغداد تشریف لائے، اس وقت بغداد کے اندر کوئی بھی ایسی قبر نہ تھی کہ دعا کی غرض سے جس کا قصد کیا جاتا ہو، بلکہ شافعی کے زمانے میں یہ بات معروف بھی نہ ہوئی تھی، شافعی نے حجاز و یمن، شام و عراق اور مصر کے اندر ان انبیاء، صحابہ اور تابعین کی قبریں دیکھی تھیں جو ان کے نزدیک اور عام مسلمانوں کے نزدیک ابو حنیفہ اور ان جیسے دیگر علما سے افضل ہیں، تو آخر وہ ابو حنیفہ کی قبر پر ہی کیوں کر دعا کرتے۔

مزید یہ کہ ابو حنیفہ کے وہ شاگرد جنہیں ان کی صحبت و معاصرت حاصل ہوئی تھی جیسے ابو یوسف، محمد، زفر اور حسن وغیرہم، وہ بھی دعا کے لیے کسی قبر کا قصد نہیں کرتے تھے، نہ ابو حنیفہ کی قبر کا اور نہ کسی اور کی قبر کا[1]۔

چوتھی وجہ: شافعی کا یہ قول گزر چکا ہے جو ان کی کتاب میں موجود ہے کہ مخلوق کی قبروں کی تعظیم کرنا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے فتنے کا خدشہ ہے[2]۔ نیز یہ کہ اس طرح کی کہانیاں کم

---

[1] مجموع الفتاوی: ۲ / ۶۹۲، معمولی تصرف کے ساتھ۔

[2] شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الأم" میں کتاب الجنائز، باب مایکون بعد الدفن کے اندر لکھتے ہیں:

مجھے یہ پسند نہیں کہ قبر کو پختہ بنایا جائے، کیوں کہ یہ زیب وزینت اور فخر و تکبر کے ہم مشابہ ہے، جب کہ موت کا دونوں میں سے کسی سے کوئی ربط و تعلق نہیں، اور نہ ہی میں نے مہاجرین وانصار کی قبروں کو پختہ دیکھا ہے۔

بلکہ مکہ کے بعض والیوں کو میں نے دیکھا کہ وہ پختہ قبروں کو مسمار کر رہے ہیں اور فقہا ان پر نکیر بھی نہیں کر رہے ہیں۔

آپ اسی باب میں مزید لکھتے ہیں: مجھے یہ ناپسند ہے کہ قبر پر مسجد تعمیر کی جائے۔

علم اور کم دین لوگ ہی گھڑتے ہیں اور یہ کہ اس طرح کی حکایتیں نامعلوم اور مجہول لوگوں سے ہی روایت کی جاتی ہیں۔جب کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کی بے تکی حکایتیں اگر اس ذات گرامی (ﷺ) سے بھی مروی ہوں جو اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے، تو بھی ہم ان سے دلیل پکڑنا درست نہیں مانتے جب کہ وہ ثابت نہ ہو جائیں، تو بھلا کسی اور سے منقول حکایات کی کیا حقیقت؟[1]۔

پانچویں وجہ: شیخ عبد الرحمن بن یحیی المعلمی[2] رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "طلیعۃ التنکیل"[3] میں مذکورہ قصہ کی سند کا ضعف واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

سند کی یہ حالت ہے، کسی بھی علم شناس سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس طرح کی سند سے کوئی روایت ثابت نہیں ہوتی، اس کی تاکید خود قصہ کی حقیقت سے ہوتی ہے، وہ یہ کہ شافعی کا ہر

---

[1] مجموع الفتاوی:۲/ ۶۹۲، معمولی تصرف کے ساتھ۔

[2] شیخ عبد الرحمن کی نشوونما یمن کے اندر ہوئی، سنہ ۱۳۲۹ھ میں آپ نے جزیرہ عرب کے خطہ جیزان کا سفر کیا اور قاضی کے عہدہ پر فائز ہوئے، پھر ۱۳۴۱ھ میں آپ نے ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد میں تقریباً پچیس سال تک حدیث اور تاریخ کی کتابوں کی تصحیح وتنقیح کا کام کرتے رہے، پھر سنہ ۱۳۷۱ھ میں مکہ واپس آئے اور حرم مکی کی لائبریری میں امین متعین ہوئے، اپنی وفات سنہ ۱۳۸۶ھ تک یہیں خدمات انجام دیتے رہے۔آپ نے علم رجال وغیرہ میں ایک قابل قدر علمی ترکہ چھوڑا، آپ کی تالیفات میں "التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الاباطیل" اور ابن ابی حاتم کی کتاب "الجرح والتعدیل" کی تحقیق سرفہرست ہیں۔آپ کی سوانح کے لیے رجوع کریں: الأعلام للزرکلی:۳/ ۳۴۲

[3] صفحہ:۷۶، ناشر: دار عالم الفوائد-مکہ

روز ابو حنیفہ کی قبر کی زیارت کرنا عادتاً مستحیل ہے، نیز ان کا قبر کے پاس دعا کا قصد واہتمام کرنا بھی محال ہے، کیوں کہ حاجت طلبی کے لیے قبروں کا قصد کرنا عہد شافعی کے ایک مدت بعد متعارف ہوا، رہی بات قبر کے پاس نماز کے اہتمام وقصد کرنے کی تو یہ اور بھی زیادہ مستحیل ہے۔

چھٹی وجہ: امام شافعی کا امام ابو حنیفہ کی قبر کو وسیلہ بنانا اس وجہ سے بھی مستحیل ہو سکتا ہے کہ خود ابو حنیفہ اس کی حرمت کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے: "کسی کے لیے بھی یہ زیبا نہیں کہ اللہ کو اس کے علاوہ کسی اور کے وسیلے اور توسط سے پکارے، مجھے یہ ناپسند ہے کہ کوئی ایسے دعا کرے: تجھ سے تیرے عرش کی عظمت وجلال کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، یا یہ کہے کہ: فلاں کے وسیلے سے، انبیاء ورسل کے صدقے، اور بیت الحرام کے حوالے سے سوال کرتا ہوں۔ یہ بالکل ہی نامعقول بات ہے[1]۔

ان تفصیلات کی بنیاد پر محققین ائمہ نے مذکورہ قصہ کو بے بنیاد اور نامعقول قرار دیا ہے۔ امام ابن القیم نے اپنی کتاب "اغاثۃ اللهفان" میں اپنے استاد ابن تیمیہ رحمہا اللہ کا یہ قول نقل کیا

---

[1] منقول از: "التوصل إلى حقيقة التوسل" للشیخ نسیب الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ، معمولی تصرف کے ساتھ، صفحہ: ۳۳۱-۳۳۲، ناشر: المکتبۃ المکیۃ-مکہ

ہے: "شافعی کے بارے میں جو حکایت نقل کی جاتی ہے کہ وہ ابو حنیفہ کی قبر کے پاس دعا کا قصد واہتمام کرتے تھے، وہ فاش جھوٹ ہے "[1]۔

تنبیہ: ابن حجر ہیثمی مکی[2] نے اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان" کے اندر پچیسویں باب میں اس قصہ کو نقل کیا ہے۔اس سے ہوشیار و خبر دار رہیں (دھوکا نہ کھائیں)!

---

[1] صفحہ: ۳۹۲

[2] آپ احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمی شافعی ہیں، آپ ایک شافعی فقیہ اور صوفی تھے، مکہ آکر وہیں سکونت پزیر رہے تا آں کہ ان کی وفات ہوگئی، آپ کی موت سنہ ۹۷۳ھ میں ہوئی، ان کی سوانح کے لیے رجوع کریں: ابن العماد عبدالحی بن احمد عکری دمشقی کی کتاب: "شذرات الذہب فی آخبار من ذہب"، ناشر: دار ابن کثیر – دمشق۔

خاتمہ

سابقہ تفصیلات سے یہ واضح ہوگیا کہ دعا کی قبولیت کے لیے کون سے مقامات مشروع ہیں، خواہ ان کا تعلق زمان ومکان سے ہو یا احوال وکوائف وغیرہ سے، نبی ﷺ نے-جو اپنی امت پر نہایت شفیق ومہربان تھے-انہیں پوری طرح واضح فرمادیا، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ان مقامات کے علاوہ قبروں اور دیگر ایسی جگہوں پر دعا کا قصد واہتمام کرے جس کی شریعت میں کوئی صحیح دلیل نہیں، تو اس نے دین الہی میں نئ چیز کا اضافہ کیا، اللہ پر ایسی بات کہی جس کا اسے علم نہیں، اور شریعت کے تئیں ناروا جرات کا مظاہرہ کیا۔اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

صلى الله على نبينا محمد، وعلى آله وصحبه ، وسلم تسليما كثيرا.

از قلم:

ماجد بن سلیمان الرسی

۲۸ شعبان ۱۴۳۴ھ

فہرستِ موضوعات

موضوعات	صفحات
مقدمہ	۳
باب: قبولیت کے قصد سے قبروں پر دعا کرنا باطل عمل ہے	۹
قبروں پر دعا کرنے سے متعلق امام مالک اور دیگر علماء کے اقوال	۲۱
خلاصہ	۲۵
باب: قبولیتِ دعا کے شرعی اسباب	۲۷
پہلی قسم: وہ سبب جو دعا گو کی ذات سے متعلق ہے	۲۸
دوسری قسم: وہ اسباب جو دعا گو کی عبات سے متعلق ہیں، وہ نو ہیں	۳۱
تیسری قسم: وہ اسباب جو دعا گو کی حالت سے متعلق ہیں، وہ پانچ ہیں	۳۸
چوتھی قسم: وہ اسباب جو دعا کے وقت سے متعلق ہیں، وہ پانچ ہیں	۴۲

پانچویں قسم: وہ اسباب جو زمان و مکان سے متعلق ہیں، وہ دو ہیں	۴۹
چھٹی قسم: وہ اسباب جو دعا کے آداب سے متعلق ہیں، وہ تیرہ ہیں	۵۰
قبولیتِ دعا کے اسباب سے متعلق ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ سنجی	۷۸
شبہات اور ان کے جوابات	۸۳
خاتمہ	۹۴
فہرستِ موضوعات	۹۵
فہرستِ مصادر و مراجع	۹۷

فہرستِ مصادر ومراجع

1 - سنن النسائی، احمد بن شعیب النسائی، ناشر: مکتبۃ الرشد -ریاض

2 - المعجم الاوسط، سلیمان بن احمد الطبرانی، تحقیق: ایمن صالح شعبان و سید احمد اسماعیل ، ناشر: دار الحدیث-قاہرہ

3 - سنن الدارمی، عثمان بن سعید الدارمی، تحقیق: ڈاکٹر مصطفی بن دیب البغا، ناشر: دار القم -دمشق

4 - الکتاب المصنف فی الأحادیث والآثار، عبد اللہ بن ابی شیبۃ، تحقیق: محمد عبد السلام شاہین، ناشر: مکتبۃ دار الباز ، مکہ

5 - المصنف، عبد الرزاق الصنعانی، تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، ناشر: المکتب الاسلامی-بیروت

6 - شعب الایمان، ابو بکر البیہقی، تحقیق: محمد سعید بن بسیونی زغلول، ط۱، ناشر: دار الکتب العلمیۃ-بیروت

7 - فضل الصلاۃ علی النبی ، اسماعیل بن اسحاق القاضی، تحقیق: شیخ محمد ناصر الدین الالبانی، ناشر: المکتب الاسلامی-بیروت

8 - اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ أصحاب الجحیم، ابن تیمیہ، تحقیق: ڈاکٹر ناصر بن عبد الکریم العقل، ط۵، ناشر: مکتبۃ الرشد-ریاض

9- الرد على الإخنائى، ابن تيميه، تحقيق: احمد بن مونس العنزى، ناشر: دار الخراز-جدة

10- إغاثة اللهفان فى مصايد الشيطان، ابن قيم الجوزيه، تحقيق: محمد عزير شمس، ناشر: دار عالم الفوائد-مكه

11- الأمر بالاتباع والنهى عن الابتداع، جلال الدين سيوطى، تحقيق: مشهور حسن سلمان، ط٢، ناشر: دار ابن القيم -دمام

12- الشفا بتعريف حقوق المصطفى، قاضى عياض بن موسى اليحصبى، تحقيق: محمد العلاوى، ناشر: دار ابن رجب-مصر

13- زاد المعاد فى ہدى خير العباد، ابن القيم، تحقيق: عبد القادر الارناؤوط وشعيب الارناؤوط، ناشر: مؤسسة الرسالة-بيروت

14- الداء والدواء، ابن القيم، تحقيق: على بن حسن بن عبد الحميد، ط٩، ناشر: دار ابن الجوزى-دمام

15- النبذ المستطابة فى الدعوات المستجابة، سليم الهلالى، ناشر: دار ابن الجوزى-دمام

16- كتاب الدعاء، عبد الله الخضيرى، ناشر: مدار الوطن-رياض